انکارِ حدیث کے نتائج
مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ
المیزان

سلسلہ مطبوعات - ۲۵۷

انکارِ حدیث کے نتائج

مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

المیزان ناشران و تاجران کتب

الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور پاکستان فون: ۷۲۱۲۷۶۲، ۷۱۲۲۹۸۱-۰۴۲

فہرست مضامین

انکارِ حدیث کیوں

از: مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔

امابعد!

مذہب اسلام کیلئے موجود دور میں جو سوالات خاص اہمیت کے حامل ہیں، ان میں حدیث نبوی (علی صاحبہا الف الف سلام) کے متعلق مندرجہ ذیل سوالات بالخصوص توجہ طلب ہیں:

۱- حدیث کا مرتبہ اسلام میں کیا ہے؟

۲- حدیث سے شریعت اسلامیہ کو کیا فوائد حاصل ہوئے؟

۳- حدیث پر اعتماد نہ کیا جائے تو اس سے دین کو کیا نقصان ہوگا، دور حاضر میں انکار حدیث کی جو وبا پھوٹ پڑی ہے، یہ کن جراثیم کا نتیجہ ہے؟

سطور ذیل میں ہم ان سوالات پر غور کرنا چاہتے ہیں

واللہ الموفق والمعین۔

لیکن اصل سوالات پر بحث کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم چند اصولی امور ناظرین کی خدمت میں پیش کردیں جن سے نظر وفکر کی مزید راہیں کھل سکیں۔

۱- نبی امت کی عدالت میں

انکار حدیث کا فتنہ ظہور میں آچکا ہے۔ بحث کرنے والے پوری قوت کے ساتھ اس بحث میں مصروف ہیں کہ حدیث حجت ہے یا نہیں؟ جن لوگوں کی طرف سے یہ بحث اٹھائی گئی ہے ان کا حال تو انہی کو معلوم ہوگا لیکن جہاں تک میرے ایمان کا احساس ہے یہ سوال ہی غیرت ایمانی کے خلاف چیلنج ہے جس سے اہل ایمان کی گردن ندامت کی وجہ سے جھک جانی چاہئے۔

اس فتنہ کے اٹھانے والے ظالموں نے نہیں سوچا کہ وہ اس سوال کے ذریعہ نبی اکرم ﷺ کی

ذات کو اعتماد یا عدم اعتماد کا فیصلہ طلب کرنے کے لئے امت کی عدالت میں لے آئیں گے۔ امت اگر یہ فیصلہ کردے گی کہ نبی کریم ﷺ کی بات (حدیث) قابل اعتماد ہے، تو اس کے مرتبہ کا سوال ہوگا اور اگر نالائق امتی یہ فیصلہ صادر کردیں کہ "نبی کریم ﷺ کی کوئی بات (حدیث) آپ کے زمانہ والوں کے لئے لائق اعتماد ہو تو ہو لیکن موجودہ دور کے تمدن اور ترقی پسند افراد کو نبی ﷺ کی کسی حدیث پر ایمان لانے کے لئے مجبور کرنا ملائیت ہے" تو نبی اکرم ﷺ کے خلاف عدم اعتماد کا فیصلہ ہو جائے گا۔ (معاذ اللہ، استغفر اللہ) اگر دل کے کسی گوشے میں ایمان کی کوئی رمق بھی موجود ہے تو کیا یہ سوال ہی موجب ندامت نہیں کہ نبی ﷺ کی بات لائق اعتماد ہے یا نہیں؟

تُف ہے! اس مہذب دنیا پر کہ جس ملک کی قومی اسمبلی میں صدر مملکت کی ذات کو تو زیر بحث نہیں لایا جا سکتا (پاکستان کی قومی اسمبلی کے اسپیکر نے متعدد دفعہ یہ رولنگ دی ہے کہ معزز ارکان اسمبلی صدر مملکت کی ذات گرامی کو زیر بحث نہیں لا سکتے) لیکن اسی ملک میں چند ننگ امت، آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس کو نہ صرف یہ کہ زیر بحث لاتے ہیں بلکہ زبان و قلم کی تمام تر طاقت اس پر صرف کرتے ہیں کہ امت رسول اللہ ﷺ کے خلاف عدم اعتماد کا ووٹ دے ڈالے۔ اگر ایمان اسی کا نام ہے تو مجھے کہنا ہوگا" (بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهِ إِيمَانُكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ)

بہر حال مریض دلوں کے لئے انکار حدیث کی خوراک لذیذ ہو تو ہو (غلبہ صفرا کی وجہ سے ان مسکینوں کو اس کی تلخی کا احساس نہیں ہوتا) لیکن میرے جیسے گنہگار اور ناکارہ امتی کے لئے یہ موضوع خوشگوار نہیں بلکہ یہ بحث ہی تلخ ہے، نہایت تلخ، مجھے کل ان کے دربار میں جانا ہے اور ان کی شفاعت کی امید ہی سرمایہ زندگی ہے۔ سوچتا ہوں اور خدا کی قسم، کانپتا ہوں، کہ اگر ان کی طرف سے دریافت کر لیا گیا کہ "او نالائق! کیا میری حدیث کا اعتماد بھی محل بحث ہو سکتا ہے؟ تو میرے پاس کیا جواب ہوگا؟ اسلام کے ان فرزندان ناخلف نے خود رسالت مآب ﷺ پر جرح و تعدیل کا جو راستہ اختیار کیا ہے واللہ! اس میں کفر و نفاق کے کانٹوں کے سوا کچھ نہیں۔ (فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ) (اب جس کا جی چاہے نبی کی بات پر ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کا راستہ اختیار کرے)

۲- فتنہ کی شدت

فتنہ کی کجی ملاحظہ کیجئے۔ دین قیم کے وہ صاف، واضح، روشن اور قطعی مسائل جن میں کل تک شک و تردد کا ادنیٰ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا؛ کل تک ملت اسلامیہ جن کو یقینی مانتی چلی آئی تھی، شکی مزاج طبیعتیں آج ان ہی مسائل کو غلط اور ناقابل قبول ٹھہراتی ہیں۔

ایک رسول اکرم ﷺ کی ذات اب تک محفوظ تھی، تمام امت کا مرجع تھی، ہر امتی آنحضرت ﷺ کے فرمان کے سامنے سرِ تسلیم خم کردیا کرتا تھا۔ امت میں کوئی اختلاف رونما ہو، اس کے فیصلہ کے لئے آپ کی ذات آخری عدالت تھی اور آپ کا ہر فیصلہ حرف آخر کی حیثیت رکھتا تھا، لیکن افسوس! آج کس کے پاس یہ شکایت لے جائیں کہ فتنہ کے سیلاب کی موجیں علماء، صلحاء، صوفیاء، متکلمین، محدثین، مجتہدین، تابعین اور صحابہ (رضی اللہ عنہم اجمعین) ان سب کو روندتی ہوئی دین و شریعت کی آخری فیصل ذات رسالت مآب ﷺ سے ٹکرا رہی ہیں اور چاہا جاتا ہے کہ انسانیت کی سب سے بڑی اور سب سے آخری عدالت کو بھی مجروح کردیا جائے فالی اللہ المشتکی۔

اف! ابتلائے فتنۂ امت میں یہ بحث موضوع سخن ہے کہ کیا رسول اللہ ﷺ کی حدیث حجت ہے یا نہیں، دینی حیثیت سے قابل قبول ہے یا نہیں؟ کیا یہ صاف اور موٹی بات بھی کسی کی عقل میں نہیں آسکتی کہ کسی ذات کو نبی اور رسول ماننا یا نہ ماننا تو ایک الگ بحث ہے۔ لیکن جس ذات کو رسول مان لیا جائے، ماننے والے کے ذمہ اس کی ہر بات کا مان لینا بھی ضروری ہے، جس کام کا وہ حکم کرے اس کی تعمیل بھی ماننے والے کے لئے لازم ہے اور جس فعل سے وہ منع کرے اس سے رک جانا ضروری ہے۔

رسول کو رسول مان کر اس کے احکام میں تفتیش کرنا یہ ''حکم آپ اپنی طرف سے دے رہے ہیں یا خدا کی طرف سے؟ اور اگر آپ اپنی طرف سے کوئی ارشاد فرماتے ہیں تو اس کی تعمیل سے معاف رکھا جائے'' نری حماقت نہیں تو اور کیا ہے، یہ کتنی صاف اور سیدھی بات تھی لیکن نہیں معلوم لوگ عقل کو کہاں استعمال کیا کرتے ہیں کہ ایسے بدیہی امور میں بھی شک اور تردد کا مرض ان کو ایمان و یقین سے محروم کئے رکھتا ہے۔

شرح تحریر میں ہے:

"حجية السنة سواءٌ كانت مفيدة للفرض او الواجب أو غيرهما (ضرورةٌ دينيةٌ) كل من له عقل و تميز حتى النساء والصبيان يعرف أن من ثبت نبوته صادق فيما يخبر عن الله تعالىٰ ويجب اتباعه" (تيسير التحرير ص: ٢٢ ج ١)

ترجمہ: ''سنت خواہ مفید فرض ہو یا واجب یا ان کے علاوہ کے لئے مفید ہو، اس کا حجت ہونا دین کا ایسا واضح مسئلہ ہے جس میں طلب دلیل کی ضرورت نہیں، جس کو ذرا بھی عقل و تمیز ہو، عورتوں اور بچوں تک بھی، وہ جانتا ہے کہ جس کی نبوت ثابت ہو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ بتلائے گا اس میں قطعاً سچا ہوگا اور اس کی بات کی پیروی واجب ہوگی۔''

منکرین حدیث کی کورچشمی ملاحظہ کرو۔ اس پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ رسول برحق ہیں اس پر بھی اتفاق ہے کہ علم وعرفان کے سرچشمہ ہوتے ہیں الغرض آفتاب طلوع ہو چکنے کے بعد، بحث اس پر ہورہی ہے کہ سورج نکلنے کے بعد دن ہوتا ہے، یا رات ہوتی ہے۔ زبان وقلم، عقل وفہم اور دل ودماغ کی قوتیں اس پر صرف کی جارہی ہیں کہ رسول کو رسول ماننے کے بعد اس کی کسی بات (حدیث) پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ جو خیرہ چشم طلوع آفتاب کا اقرار کرنے کے باوجود ''دن نہیں رات ہے'' کی رٹ لگا رہا ہو اور چاہتا ہو کہ تمام دنیا اسی کی طرح آنکھیں موند لے، بتلایا جائے کہ آپ ایسے سوفسطائی کو کس دلیل سے سمجھا سکتے ہیں۔

اسی طرح محمد رسول اللہ ﷺ کا زبانی اقرار کرنے والوں سے جب سنا جاتا ہے کہ جس ذات کو ہم رسول مانتے ہیں اسی کا کوئی قول اور فعل ہمارے لئے حجت نہیں تو بتلایئے ایسے محرومان بصیرت کے لئے کونسا سامان ہدایت سود مند ہوسکتا ہے؟ کاش ان کو چشم بصیرت نصیب ہوجاتی۔ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ''کیونکہ ان کی آنکھیں اندھی نہیں، بلکہ وہ دل اندھے ہوچکے ہیں جو ان کے سینوں میں ہیں۔''

۳۔ منکرین حدیث کی بے اصولی

حدیث کا جو ذخیرہ اس وقت امت کے پاس محفوظ ہے اس کے دو جز ہیں:

(۱) متن (۲) سند۔ یعنی ایک تو حدیث کے وہ جملے ہیں جو قولاً یا فعلاً یا تقریراً صاحب حدیث ﷺ کی طرف منسوب ہیں کہ آپ نے یہ ارشاد فرمایا تھا یا آپ نے فلاں عمل کر کے دکھایا یا آپ نے فلاں کام کی ... جو آپ کے سامنے کیا گیا، تصویب فرمائی۔ دوم اساتذہ حدیث کا وہ سلسلہ ہے جو امت اور امت کے نبی ﷺ کے درمیان واسطہ ہیں۔ مثلاً امام بخاری جس حدیث کو روایت کریں گے وہ ساتھ ہی یہ بھی بتلاتے جائیں گے کہ آنحضرت ﷺ سے یہ حدیث کن کن واسطوں سے ہم تک پہنچی۔

پوری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ کی حدیث جن لوگوں نے خود آپ ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے سنی وہ سننے والوں کے حق میں اسی طرح قطعی تھی جس طرح قرآن کریم قطعی ہے۔ آپ ﷺ کی زبان مبارک سے جو حکم بھی صادر ہوا بالمشافہ سننے والوں کے لئے اس کا درجہ وحی خداوندی کا ہے اگر آپ نے اس کو قرآن میں لکھنے کا حکم دیا تو وہ وحی جلی کہلائے گا ورنہ وحی خفی۔

قسم اول (وحی جلی) کے الفاظ اور معنی دونوں اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل شدہ تھے۔

قسم دوم (وحی خفی) کا مضمون منجانب اللہ ہوتا تھا، الفاظ آنحضرت ﷺ کے ہوتے تھے، بہر حال وحی کی یہ دونوں قسمیں چونکہ منجانب اللہ ہیں اس لئے دونوں پر ایمان لانا اور دونوں کا قبول کرنا اہل ایمان کے ذمہ ضروری ہوا۔ البتہ روایت حدیث کے اعتبار سے حدیث کی مختلف قسمیں ہو جاتی ہیں جن کی تفصیل کو مع ان کے احکام کے اپنی جگہ بیان کیا گیا ہے۔

اب منکرین حدیث کی بے اصولی دیکھئے کہ وہ ان دونوں اجزاء (متن حدیث اور سند حدیث) کے متعلق مخلوط بحث کریں گے۔ حالانکہ بے اعتمادی کا زہر پھیلانے سے پہلے انصاف و دیانت کا تقاضا یہ تھا کہ محل بحث کو طے کرلیا جاتا کہ کیا ان کو نفس حدیث ہی پر اعتماد نہیں خواہ وہ کتنی ہی صحیح کیوں نہ ہو؟ یا نفس حدیث پر ان کو اعتماد ہے اور وہ اسے دینی سند بھی تسلیم کرتے ہیں لیکن موجودہ ذخیرہ حدیث کے متعلق ان کی بے اعتمادی کا سبب یہ ہے کہ پوری امت میں ان کو ایک شخص بھی ایسا نہیں ملا جس نے آنحضرت ﷺ کی یہ امانت امت تک صحیح پہنچادی ہو اس لئے اس کو موجودہ ذخیرہ حدیث سے ضد ہے۔ مثلاً امام مالک کی وہ روایت جو مالک، عن نافع، عن ابن عمر، عن النبی ﷺ کی سند سے مروی ہیں، جو شخص ان روایات پر بے اعتمادی کا اظہار کرتا ہے، کیا اس کا فرض نہ ہوگا کہ وہ اپنی بداعتمادی کی وجہ بتلائے کہ آیا اسے حدیث کے ان تین ناقلین، مالک، نافع، ابن عمر رضی اللہ عنہم پر ہی اعتماد نہیں۔ معاذ اللہ۔ یا خود ذات رسالت مآب ﷺ پر اعتماد نہیں۔ استغفر اللہ۔

بہر حال جب تک موضوع کی تنقیح اور تعیین نہ کرلی جائے، اس وقت تک کسی بھی مسئلہ پر بحث لغو اور لایعنی مشغلہ ہے۔ لیکن آپ منکرین حدیث کو پائیں گے کہ وہ کبھی نفس حدیث پر بحث کریں گے کہ محمد ﷺ کے لائے ہوئے دین میں حدیث کا کوئی مقام نہیں اور کبھی بے چارے ناقلین حدیث پر تبرا شروع کردیں گے کہ ان لوگوں نے اُمت کی یہ امانت بعد میں آنے والی امت تک کیوں پہنچائی۔ لیکن انکار حدیث کا منشاء متعین کرنے سے وہ گریز کریں گے۔ اس لئے میں کہوں گا کہ حدیث پر سے اعتماد اٹھانے کا اصل حل تلاش کرو اور محل بحث تلاش کرنے کے بعد افہام و تفہیم کریں۔ یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ قصور وار ناقلین روایت ہوں اور فرد جرم خود حدیث پر عائد کردی جائے۔ یا اعتماد نفس حدیث پر نہ ہو، اور اس کی سزا حدیث روایت کرنے والی پوری امت کو دی جانے لگے۔

۴- انکار حدیث کا عبرتناک انجام

حدیث پر اعتماد نہ کرنے والوں کو معاذ اللہ ثم معاذ اللہ ذات نبوی ﷺ یا پوری امت میں سے ایک کو ناقابل اعتماد قرار دینا ہوگا استغفر اللہ آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ زید کا کلام عمرو نقل کرے،

سننے والے کو زید کے صدق کا یقین ہو اور عمرو پر اعتماد ہو کہ وہ نقل میں جھوٹا نہیں لیکن اس کے باوجود کہے کہ یہ کلام جھوٹا ہے۔ بہر حال یہاں یہ سوال کسی خاص حدیث کا نہیں بلکہ مطلق حدیث کا ہے۔ جب اس کا انکار کیا جائے گا اور اسے ناقابل اعتماد قرار دیا جائے گا تو اس صورت میں یا خود صاحب حدیث ﷺ کی ذات سے اعتماد اٹھانا ہو گا یا پوری امت کو غلط کار اور دروغ گو کہنا ہو گا۔ انکار حدیث کی تیسری کوئی صورت نہیں۔ اور ان دونوں کا نتیجہ سب کے سامنے ہے۔ اگر معاذ اللہ خود صاحب حدیث ﷺ یا چودہ سو سالہ امت سے اعتماد اٹھا لیا جائے تو اس کے معنی اس کے سوا اور کیا ہیں، کہ اسلام اور قرآن پر بھی ان کا اعتماد نہیں۔ اور دین وایمان کے ساتھ بھی ان کا کچھ واسطہ نہیں۔ ان حدیث رسول ﷺ کے متعلق بے اعتمادی کا ڈھنڈورا پیٹنے والوں کو ایک لحہ کے لئے بھی یہ خیال دل میں نہ لانا چاہئے کہ اس تمام تر سعی مذموم کے باوجود وہ اسلام اور قرآن کو بے اعتمادی کے جھگڑے سے محفوظ رکھ سکیں گے۔

۵- تنقیح بحث

اب تمام تر بحث جو آپ کے سامنے آئے گی، وہ نفس حدیث سے متعلق ہو گی، سند حدیث اور رجال سند کی بحث کو ہمارے موضوع سے خارج سمجھنا چاہئے۔

ان ابتدائی اشارات کے بعد ہم پہلے سوال پر غور کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے ۲۳ سالہ دور نبوت کے ارشادات، کلمات طیبات، قضایا اور فیصلے، افعال واحوال، سیر واخلاق، الغرض اس طویل مدت میں آنحضرت ﷺ نے امت کو جو زبانی حکم دیا یا جو کچھ عملاً کر دکھایا، یا کسی عمل کی تصویب قولاً یا سکوتاً فرمائی (ان ہی امور کے مجموعہ کا نام حدیث ہے)

- ان سب کو قرآن مجید کیا مرتبہ دیتا ہے؟
- خود آنحضرت ﷺ کے نزدیک ان کی حیثیت کیا تھی؟
- صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے تقریباً صد سالہ دور میں ان کے ساتھ کیا تعلق رکھا؟
- صحابہ کرام کے بعد کی امت کی نظر میں ان کا کیا مرتبہ رہا؟
- عقل صحیح کی روشنی میں ان کا کیا مقام ہے؟

یہ پانچ نکات ہیں، جن پر غور کرنا ضروری ہے۔ ایک مجلاتی مضمون میں جس قدر شرح وبسط کی گنجائش ہو سکتی ہے، حتی الوسع اختصار کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ حق تعالیٰ سور

فہم اور قصور تعبیر سے حفاظت فرمائیں (آمین)

۱-فرمودہ رسول ﷺ کو بلا چون و چرا قبول کرو

قرآن کریم حکم دیتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے جو کچھ دیا جائے۔ اس کو بلا چون و چرا قبول کرلیں اور آپ کے منع کردہ امور سے باز رہیں۔ اگر انھوں نے ایسا نہ کیا، تو ان کے حق میں شدید عذاب کا اندیشہ ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

(وَمَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا) (الحشر:۷)

(ترجمہ) اور رسول تمہیں جو کچھ بھی دے دیں، اس کو لے لو۔ اور جس چیز سے روک دیں اس سے رک جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والے ہیں۔

۲-حکم نبوی سے روگردانی باعث فتنہ و عذاب ہے

آپ ﷺ کے امر کی مخالفت کرنے والے لوگوں کو ڈرایا گیا ہے کہ ان کی یہ روش بدترین فتنہ اور دردناک عذاب میں انہیں دھکیل کر رہے گی۔

فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِہٖ اَنْ تُصِیْبَھُمْ فِتْنَۃٌ اَوْ یُصِیْبَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ.

(النور:۶۳)

(ترجمہ) اور جو لوگ آپ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ انہیں ڈرنا چاہیے، کہ کہیں ان کو کوئی عظیم فتنہ پیش نہ آجائے یا کہیں ان کو عذاب الیم کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

چنانچہ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی اس آیت کے ذیل میں رقمطراز ہیں:

یعنی اللہ اور رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرتے رہنا چاہئے کہ کہیں ان کے دلوں میں کفر و نفاق وغیرہ کا فتنہ ہمیشہ کے لئے جڑ پکڑ نہ جائے۔ اور اس طرح دنیا کی کسی سخت آفت یا آخرت کے دردناک عذاب میں مبتلا نہ ہوجائیں۔ العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی ص:۴۶۶)

۳-اطاعت نبوی باعث رحمت خداوندی

رحمت خداوندی کے نزول کو آپ ﷺ کی اطاعت کاملہ کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے، فرمان باری ہے:

وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ. (النور:۵۶)
''اور اے مسلمانوں نماز کی پابندی رکھو۔ اور زکوٰۃ دیا کرو۔ اور باقی احکام میں بھی رسول ﷺ کی اطاعت کیا کرو۔ تاکہ تم پر کامل رحم کیا جائے۔ (ترجمہ حکیم الامت رحمہ اللہ)

۴-فوز وفلاح کا راز

ہر قسم کی فوز وفلاح، رشد وہدایت، اور بہبودی دنیا وآخرت کو آپ ﷺ کی اطاعت میں منحصر قرار دیا گیا۔

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولٰئِكَ رَفِيقًا، ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ، وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيمًا. (النساء:۶۹)

(ترجمہ) اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مان لے گا، تو ایسے اشخاص بھی ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا۔ یعنی انبیاء اور صدیقین، اور شہداء اور صلحاء اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں۔ یہ فضل ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے اور اللہ تعالیٰ کافی جاننے والے ہیں۔

۵-اتباع رسول ﷺ محبت ومحبوبیت الٰہی کا معیار ہے

دعوائے محبت خداوندی کے صدق وکذب کا امتحان کرنے کے لئے اتباع محبوب خدا ﷺ کو معیار قرار دیا گیا۔ اسی کے ساتھ آپ کی ہر ادا کی نقل اتارنے والوں کو مقام محبوبیت پر فائز ہونے کی بشارت اور مغفرت سے ہمکنار ہونے کی خوشخبری سے نوازا گیا ہے۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ. (آل عمران:۳۰)

(ترجمہ) آپ فرما دیجئے۔ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو، تو میری پیروی کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کریں گے۔ تمہارے گناہ بخش دیں گے اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بہت رحم والے ہیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانی ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:
''دشمنان خدا کی موالات ومحبت سے منع کرنے کے بعد خدا تعالیٰ سے محبت کرنے کا معیار

بتلاتے ہیں۔ یعنی اگر دنیا میں آج کسی شخص کو اپنے مالک حقیقی کی محبت کا دعویٰ یا خیال ہو، تو لازم ہے کہ اس کو اتباع محمد ﷺ کی کسوٹی پر کس کر دیکھ لے، سب کھرا کھوٹا معلوم ہو جائے گا جو شخص جس قدر حبیب خدا محمد رسول اللہ ﷺ کی راہ چلتا، اور آپ کی لائی ہوئی، روشنی کو مشعل راہ بناتا ہے، اسی قدر سمجھنا چاہئے کہ خدا کی محبت کے دعوے میں سچا اور کھرا ہے اور جتنا اس دعوے میں سچا ہوگا، اتنا ہی حضور کی پیروی میں مضبوط و مستعد پایا جائے گا۔ جس کا پھل یہ ملے گا کہ حق تعالیٰ اس سے محبت کرنے لگے گا۔ اور اللہ کی محبت اور حضور ﷺ کے اتباع کی برکت سے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اور آئندہ طرح طرح کی ظاہری باطنی مہربانیاں مبذول ہوں گی۔ مختصراً ان آیات میں پیغمبر آخرالزماں کی اطاعت کی پرزور طریقے سے دعوت دی گئی ہے۔ (تفسیر عثمانی ص:۶۹)

۶-آپ کی ذات گرامی تصفیہ طلب امور میں بحیثیت آخری عدالت!

اعلان کیا گیا کہ آنحضرت ﷺ کی اطاعت کو جب تک شعار زندگی نہ بنایا جائے گا اور ہر قسم کے تصفیہ طلب امور کے لئے آپ کی ذات پاک کو آخری عدالت کی حیثیت نہیں دی جائے گی اہل ایمان کو نہ ذرہ خیر و برکت میسر آ سکتا ہے نہ اس کے بغیر کسی اچھے انجام کی توقع رکھی جا سکتی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ، فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَالِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا . (النساء:۵۹)

(ترجمہ) اے ایمان والو! تم اللہ کا کہنا مانو، اور رسول کا کہنا مانو، اور تم میں سے جو لوگ اہل حکومت ہیں، ان کا بھی۔ پھر اگر کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو اللہ اور رسول کے حوالے کر دیا کرو۔ اگر تم اللہ پر اور یوم قیامت پر ایمان رکھتے ہو یہ امور سب بہتر ہیں۔ اور انجام کار خوش تر ہیں۔

مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ باہمی اختلافات کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق حل کریں اور اگر کوئی اپنے اختلافات ختم کرنے کے لئے قرآن و سنت سے پہلو تہی کرتا ہے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج تصور ہوگا۔

علماء نے لکھا ہے کہ اگر دو مسلمان آپس میں جھگڑیں۔ ایک نے کہا، کہ چلو شرع کی طرف رجوع کریں۔ دوسرے نے کہا کہ میں شرع کو نہیں سمجھتا یا، مجھ کو شرع سے کیا ہے۔ تو اس کے یہ کلمات دائرہ اسلام سے خارج کرنے والے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

۷-رسول اللہ ﷺ کا حکم واجب العمل ہے

آگاہ کیا گیا ہے کہ نہ صرف دینی امور بلکہ خالص دنیوی امور میں بھی کسی مومن مرد اور عورت کو آپ کے فیصلے کے بعد کسی قسم کی گنجائش نہیں کہ فیصلہ نبوت کے بعد وہ اپنے لئے ادنی اختیار کا تصور بھی ذہن میں لائے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤمِنٍ ولا مُؤمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ . (الاحزاب:۳۶)

(ترجمہ) اور کسی ایماندار مرد اور کسی ایماندار عورت کو گنجائش نہیں ہے۔ جبکہ اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا وجوبا حکم دے دیں کہ (پھر) ان مومنین کو ان کے اس کام میں کوئی اختیار باقی رہے (یعنی اس اختیار کی گنجائش نہیں رہتی کہ خواہ کریں یا نہ کریں۔ بلکہ عمل کرنا ہی واجب ہے۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

۸-فیصلہ نبویؐ سے انحراف باعث ہلاکت ہے

بات یہیں پوری نہیں ہو جاتی، بلکہ پُرجلال انداز میں ہر سننے والے کے کان کھول دیئے گئے کہ فیصلہ نبوی کے بعد جن لوگوں کو اپنے لئے کسی قسم کی اختیاری گنجائش پیدا کرنے کی فکر رہتی ہے، ایسے نافرمان صریح بھٹکے ہوئے ہیں۔

وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلالاً مُبِيْناً. (الاحزاب:۳۶)

(ترجمہ) اور جو شخص اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانے گا وہ صریح گمراہی میں پڑا

۹-ہدایت صرف اطاعت نبویؐ میں منحصر ہے

یہ بھی واضح کر دیا گیا، کہ ہدایت صرف اطاعت نبویؐ میں منحصر ہے۔ اور یہ کہ آنحضرت ﷺ کی پیروی کے علاوہ ہدایت کے تمام راستے بند ہیں۔ اس کے ساتھ بتلا دیا گیا، کہ آپؐ کے اوامر سے سرتابی کرنے والے کوتاہ اندیش لوگوں کو اس کے ہولناک نتائج کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

قُلْ أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ وَإِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوا وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ إِلا الْبَلاغُ الْمُبِيْنُ . (النور:۵۴)

(ترجمہ) آپ کہئے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو۔ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔

پھر اگر تم (اطاعت سے) روگردانی کروگے، تو سمجھ رکھو کہ رسول اللہ ﷺ کے ذمہ وہی (تبلیغ) ہے جس کا ان پر بار رکھا گیا۔ اور تمہارے ذمہ وہ ہے جس کا تم پر بار رکھا گیا ہے اور اگر تم نے ان کی اطاعت کر لی، تو راہ پر جا لگو اور بہر حال رسول کے ذمہ صاف صاف طور پر پہنچا دینا ہے۔

۱۰-مومن اور جذبہ سمع وطاعت

واضح کر دیا گیا کہ ایمان کا سب سے بڑا نشان آنحضرت ﷺ کی دعوت پر لبیک کہنا، آپ ﷺ کے ہر حکم پر سمع وطاعت بجالانا، اور آپ ﷺ کے ہر فیصلہ پر سر تسلیم خم کر دینا ہے۔ اور یہ کہ کامرانی اور کامیابی انہیں لوگوں کے قدم چومے گی، جو اپنے اندر یہ ایمانی صفات رکھتے ہوں گے۔

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ. (النور:۵۱)

(ترجمہ) مسلمانوں کا قول تو جبکہ ان کو (کسی مقدمہ میں) اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیں یہ ہے کہ وہ (بطیب خاطر) کہتے ہیں۔ کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا اور ایسے لوگ آخرت میں فلاح پائیں گے۔

مولانا شبیر احمد عثمانی اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یعنی ایک سچے مسلمان کا کام یہ ہوتا ہے اور یہ ہونا چاہئے کہ جب کسی معاملے میں ان کو خدا اور رسول کی طرف بلایا جائے۔ خواہ ان میں بظاہر ان کا نفع ہو، یا نقصان ایک منٹ کا توقف نہ کریں۔ فی الفور سمعنا وطاعۃ کہہ کر حکم ماننے کے لئے تیار ہو جائیں۔ اس میں ان کی اصلی بھلائی اور حقیقی فلاح کا راز مضمر ہے۔ (تفسیر عثمانی، ص:۴۶۳)

۱۱- گفتِ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

بتلایا گیا کہ آپ ﷺ کا ہر قول وعمل وحی الٰہی کا تابع اور منشائے خداوندی کا ترجمان ہے۔ اس لئے کہ آپ ﷺ جو کچھ فرماتے ہیں وہ اپنی ذاتی خواہش سے نہیں، بلکہ وحی الٰہی سے فرماتے ہیں۔

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ، مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ۔ (النجم من أولى إلى الأربع آيات)

(ترجمہ) قسم ہے ستارہ کی جب وہ غروب ہونے لگے۔ یہ تمہارے ساتھ کے رہنے والے (آنحضرت ﷺ) نہ راہ سے بھٹکے، اور نہ غلط رستے ہوئے اور نہ آپ (ﷺ) اپنی نفسانی خواہش سے باتیں بناتے ہیں اور ان کا ارشاد نری وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

پس جس ذات گرامی (ﷺ) کے بارے میں حق تعالیٰ شانہ یہ ضمانت دیتے ہوں کہ آپ (ﷺ) میں ایک لمحہ کے لئے بھی نہ غلط روی کا احتمال ہے اور نہ وحی الٰہی کے خلاف کسی لفظ کے زبان مبارک پر آنے کا اندیشہ ہے، ایسی ذات گرامی (ﷺ) جس کے ہر قول و فعل پر ہمہ دم وحی الٰہی کا پہرا رہتا ہو انصاف کیا جائے....

حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آپ ﷺ کی رسالت کو دلائل و براہین سے محقق کرنے کے بعد خدا تعالیٰ آپ کے متعلق یہ حکم سناتا ہے کہ جو ہمارے رسول کی فرمانبرداری کرے گا وہ بیشک ہمارا تابعدار ہے۔ اور جو اس سے روگردانی کرے گا تو ہم نے تجھکو اے رسولؐ ان لوگوں پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا کہ ان کو گناہ نہ کرنے دے، ہم ان کو دیکھ لیں گے تیرا کام صرف پیغام پہنچانا ہے۔ آگے ثواب یا عتاب یہ ہمارا کام ہے۔''

۱۲- اطاعت نبویؐ کی حقیقت

یہ بھی اعلان کر دیا گیا کہ آپ ﷺ کی اطاعت درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے، اور جو لوگ آپ ﷺ کی اطاعت کو عین اطاعت خداوندی نہیں سمجھتے وہ اپنی بدفہمی کی وجہ سے کفر کے مرتکب ہیں۔

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ تَوَلَّى فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا. (النساء:۸۰)

(ترجمہ) جس شخص نے رسول اللہ (ﷺ) کی اطاعت کی، اس نے خدا تعالیٰ کی اطاعت کی۔ اور جو شخص آپ ﷺ کی اطاعت سے روگردانی کرے سو آپ کچھ غم نہ کیجئے کیونکہ ہم نے آپ کو نگران کر کے نہیں بھیجا کہ آپ ان کو کفر نہ کرنے دیں۔

(ترجمہ حضرت تھانویؒ)

۱۳- ایک مثالی نمونہ

آپ ﷺ کا ہر قول، علم و عمل، گفتار و کردار، نشست و برخاست غرضیکہ آپ کی ذات سے

صادر ہونے والی ہر چیز سراپا ہدایت ہے اس لئے آپ ﷺ کی ذات عالی کو امت کے لئے بہترین مثالی نمونہ قرار دیا گیا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۔ (الاحزاب:۲۱)

(ترجمہ) تم لوگوں کیلئے یعنی ایسے شخص کے لئے جو اللہ سے اور روز آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہو۔ رسول اللہ (ﷺ) کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا۔

اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی ہر ایسے شخص کے لئے معیاری نمونہ ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اور جس کا دل ذکر الٰہی کی کثرت سے منور ہو، برعکس اس کے جو شخص آنحضرت ﷺ کو مثالی نمونہ نہیں سمجھتا، اور آپ ﷺ کے اقوال و افعال کو واجب الاطاعت اور لائق اقتدا نہیں سمجھتا اسے نہ اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے، نہ آخرت پر۔ اس کا دل ذکر الٰہی کے نور سے محروم ہونے کی وجہ سے ظلمت کدہ ہے۔ آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا مطلب یہ ہے کہ رسالت مآب ﷺ کی حیات مبارکہ کو دیکھو۔ سختیوں اور جانگداز حالات میں کیا استقلال رکھتے ہیں۔ حالانکہ سب سے زیادہ اندیشہ اور فکر ان ہی پر ہے مگر مجال ہے کہ پائے استقامت ذرا جنبش کھا جائے۔ جو لوگ اللہ سے ملنے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی امید رکھتے ہیں اور کثرت سے خدا کو یاد کرتے ہیں ان کے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات منبع البرکات بہترین نمونہ ہے۔ چاہیے کہ ہر معاملہ، ہر ایک حرکت و سکون، اور نشست و برخاست میں ان کے نقش قدم پر چلیں اور ہمت و استقلال وغیرہ میں ان کی چال سیکھیں۔

۱۴- ایک نکتہ

آپ ﷺ کی اطاعت سے اعتقاداً پہلو تہی کرنے والوں پر صاف صاف کفر کا فتویٰ صادر کیا گیا۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۔ (آل عمران:۳۲)

(ترجمہ) آپ فرما دیجئے کہ تم اطاعت کیا کرو۔ اللہ اور اس کے رسول کی۔ پھر اگر وہ لوگ اعراض کریں تو سن رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتے۔

۱۵- فیصلہ نبوی سے منحرف ظالم ہے

آپ ﷺ کے فیصلوں سے اعراض کرنے والوں کو شک و تردد اور نفاق کے مریض غلط

اندیش اور ظالم قرار دیا گیا۔

وَإِذَا دُعُوٓا إِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○ وَإِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوٓا إِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ○ أَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ أَمِ ارْتَابُوٓا أَمْ يَخَافُوْنَ أَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ رَسُوْلُهٗ بَلْ أُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۔ (النور، ع ٦، آیت:۵۱)

(ترجمہ) اور یہ لوگ جب اللہ اور اسکے رسول (ﷺ) کی طرف اس غرض کیلئے بلائے جاتے ہیں کہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کر دیں تو ان میں ایک گروہ پہلو تہی کرتا ہے۔ اور اگر ان کا حق ہو تو سر تسلیم خم کیے ہوئے آپ کے پاس آتے ہیں۔ آیا ان کے دلوں میں مرض ہے یا یہ شک میں پڑے ہیں یا ان کو یہ اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر ظلم نہ کرنے لگیں، نہیں! بلکہ یہ لوگ سراسر ظالم ہیں۔ (ترجمہ حضرت تھانوی)

۱۶- اتباع رسولؐ سے پہلو تہی منافقانہ عمل ہے

آپ ﷺ کی اتباع سے انحراف کرنے والوں کو صاف صاف منافق اور ایمان سے عاری قرار دیا گیا۔

وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلٰى مَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ وَإِلَى الرَّسُوْلِ رَأَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا (النساء:٦١)

(ترجمہ) اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس حکم کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اور رسول ﷺ کی طرف، تو آپ منافقین کی یہ حالت دیکھیں گے کہ آپ سے پہلو تہی کرتے ہیں۔

مولانا شبیر احمد عثمانی اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یعنی جب کسی جھگڑے میں منافقوں سے کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم نازل فرمایا ہے اس کی طرف آؤ۔ ظاہر میں چونکہ مدعی اسلام ہیں، اس لئے صاف طور پر تو انکار نہیں کر سکتے، مگر آپ ﷺ کے پاس آنے سے اور حکم الٰہی پر چلنے سے بچتے ہیں اور رکتے ہیں کہ کسی ترکیب سے جان بچ جائے۔ اور رسول ﷺ کو چھوڑ کر جہاں ہمارا جی چاہے اپنا جھگڑا لے جائیں۔ (ص:۱۱۳)

۱۷- ارشادات نبویؐ سے بے اعتنائی برتنے والے کا حکم

آپ کے پاک ارشادات کے ساتھ بے اعتنائی برتنے والوں اور آپ کے اقوال شریفہ

کے ساتھ تمسخر کرنے والوں کے متعلق اعلان کیا گیا کہ ان کے قلوب پر خدائی مہر لگ چکی ہے، جس کی وجہ سے وہ ایمان ویقین اور رشد وہدایات کی استعداد گم کر چکے ہیں اور ان لوگوں کی ساری تگ ودو خواہش نفس کی پیروی تک محدود ہے۔

وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ حَتّٰى إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوا لِلَّذِيْنَ أُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ آنِفًا . أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْا أَهْوَاءَ هُمْ . (محمد:۱۶)

(ترجمہ) اور بعض آدمی ایسے ہیں کہ وہ آپ ﷺ کی طرف کان لگاتے ہیں، یہاں تک کہ جب وہ لوگ آپ ﷺ کے پاس سے اٹھ کر باہر جاتے ہیں تو دوسرے اہل علم سے (آپ ﷺ کے ارشادات کی تحقیر کے طور پر، کہتے ہیں کہ حضرت نے ابھی کیا بات فرمائی تھی؟ یہ وہ لوگ ہیں کہ حق تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی، اور وہ اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ بتصرف یسیر)

۱۸- اسلامی دستور کا دوسرا ماخذ احادیث نبوی ہیں

قرآن کریم نے صاف صاف یہ اعلان بھی کر دیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو صرف اسی مقصد کے لئے بھیجا جاتا ہے کہ ان کی اطاعت کی جائے۔ پس آنحضرت ﷺ کی اطاعت سے انکار اور آپ کے ارشادات سے سرتابی کرنا گویا انکار رسالت کے ہم معنی ہے۔ اس طرح آپ کی اطاعت کے منکرین انکار رسالت کے مرتکب ہیں۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّٰهِ . (النساء:۶۴)

(ترجمہ) اور ہم نے تمام پیغمبروں کو خاص اسی واسطے مبعوث فرمایا ہے کہ بحکم خداوندی ان کی اطاعت کی جائے۔

قرآن کریم کی وہ آیات جن میں آنحضرت ﷺ کی اطاعت کو اہل ایمان کے لئے لازم قرار دیا گیا ہے، بے شمار ہیں۔ ان میں سے یہ چند آیات آپ کے سامنے ہیں۔ کتاب اللہ کے ان واضح اعلانات کی روشنی میں یہ فیصلہ بالکل آسان ہے، کہ اسلام میں ذات اقدس رسالت مآب ﷺ کے ارشادات کا مرتبہ کیا ہے؟ جب نبی کریم ﷺ کے اقوال وافعال کی اطاعت اور پیروی کا حکم خود قرآن ہی میں موجود ہے اور جب قرآن کریم ہی آپ ﷺ کی اطاعت کو عین اطاعت خداوندی قرار دیتا ہے، اور آپ ﷺ کے اقوال کو جب قرآن ہی وحی خداوندی بتلاتا ہے (وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى، اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى) اور آپ ﷺ کے کلمات طیبات کو جب قرآن ہی "گفتہ او

گفتہ اللہ بود" کا مرتبہ دیتا ہے تو بتلایا جائے کہ حدیث نبوی کے حجت دینیہ ہونے میں کیا کسی شک وشبہ کی گنجائش رہ جاتی ہے؟ اور کیا حدیث نبوی کا انکار کرنے سے کیا خود قرآن کو بدل ڈالنا نہیں ہوں گے۔ اور اس پر بھی غور کرنا چاہئے کہ قرآن کریم بھی تو امت نے آنحضرت ﷺ ہی کی زبان مبارک سے سنا، اور سن کر اس پر ایمان لائے۔ آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ "یہ قرآن ہے" یہ ارشاد بھی تو حدیث نبوی ہے۔ اگر حدیث نبوی حجت نہیں تو قرآن کریم کا قرآن ہونا کس طرح ثابت ہوگا۔ آخر یہ کونسی عقل و دانش کی بات ہے کہ اس مقدس و معصوم زبان سے صادر ہونے والی ایک بات تو واجب التسلیم ہو اور دوسری نہ ہو؟

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے ایک موقع پر فرمایا تھا۔

"یہ تو میرے میاں (ﷺ) کا کمال تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اور یہ میرا کلام ہے، ورنہ ہم نے تو دونوں کو ایک ہی زبان سے صادر ہوتے ہوئے سنا تھا۔"

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن تو حجت ہے مگر حدیث حجت نہیں ہے ان ظالموں کو کون بتلائے کہ جس طرح ایمان کے معاملہ میں خدا اور رسول کے درمیان تفریق نہیں ہوسکتی کہ ایک کو مانا جائے اور دوسرے کو نہ مانا جائے۔ ٹھیک اسی طرح کلام اللہ اور کلام رسول کے درمیان بھی اس تفریق کی گنجائش نہیں۔ کہ ایک کو واجب الاطاعت مانا جائے اور دوسرے کو نہ مانا جائے۔ ایک کو تسلیم کر لیجئے تو دوسرے کو بہر صورت تسلیم کرنا ہوگا اور ان میں سے ایک کا انکار کر دینے سے دوسرے کا انکار آپ سے آپ ہو جائے گا۔ خدائی غیرت گوارا نہیں کرتی کہ اس کے کلام کو تسلیم کرنے کا دعویٰ کیا جائے، اور اس کے نبی ﷺ کے کلام کو ٹھکرایا جائے۔ وہ ایسے ظالموں کے خلاف صاف اعلان کرتا ہے۔

فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ.

ترجمہ: "پس اے نبیؐ! یہ لوگ آپ کے کلام کو نہیں ٹھکراتے بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کے منکر ہیں۔"

لہٰذا جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے اور کلام اللہ کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں انہیں لامحالہ رسول اور کلام رسول ﷺ پر بھی ایمان لانا ہوگا۔ ورنہ ان کا دعویٰ ایمان حرف باطل ہے۔

۲- مرتبہ حدیث خود صاحب حدیث کی نظر میں

"حدیث نبوی... حجت ہے یا نہیں؟" اس نزاع کا جو فیصلہ قرآن کریم نے فرمایا ہے وہ

مختلف عنوانات کے تحت آپ کے سامنے آچکا ہے آیئے اب یہ دیکھیں کہ خود صاحب حدیث ﷺ نے اپنی احادیث مبارکہ اور اپنے ارشادات طیبہ کے حجت ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں کیا فیصلہ فرمایا ہے؟

یہ تو ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی امت کے تمام نزاعی امور کا فیصلہ کرنے کے لئے آخری عدالت ہے۔ آپ ﷺ کے ہر فیصلہ پر دل و جان سے راضی ہو جانا معیار ایمان ہے، اور قرآن کریم کا حلفیہ بیان ہے کہ جو لوگ آپ ﷺ کے فیصلہ پر راضی نہ ہوں اور اس کے لئے سر تسلیم خم نہ کریں وہ ایمان سے محروم ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا. (النساء:٦٥)

ترجمہ: ’’سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے یہاں تک کہ تجھ کو ہی منصف جانیں، اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے، پھر نہ پاویں اپنے دل میں تنگی تیرے فیصلہ سے اور قبول کریں خوشی سے۔‘‘

جب قرآن کریم نے امت کے تمام جھگڑوں کو نمٹانے کے لئے آنحضرت ﷺ کو منصف قرار دیا ہے تو لازم ہے کہ آنحضرت ﷺ ہی سے اس کا فیصلہ لے لیا جائے کہ آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین میں آپ ﷺ کی احادیث کا کیا مرتبہ ہے؟ آپ کے فیصلہ کے بعد کسی قسم کی کٹ حجتی کی ضرورت نہ رہے گی۔ آیات بینات کے بعد اب فیصلہ نبوت سنئے۔

(۱) پوری امت کو مخاطب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ ایسا شخص ایمان سے محروم ہے جس کی خواہشات نبی کریم ﷺ کی لائی ہوئی ہر چیز سے ہم آہنگ نہیں ہو جاتیں۔

عن عبداللّٰہ بن عمرو رضي اللّٰہ عنهما عن النبي صلى اللّٰہ علیه وسلم قال: "لا یؤمن أحدكم حتّى یكون هواه تبعًا لما جئت به" (رواه فی الشرح السنه وقال النووی فی اربعینه هذا حدیث صحیح رویناه فی كتاب الحجه باسناد صحیح مشكوٰة ص:۳۰)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہشات اس (شریعت) کے تابع نہیں ہو جاتیں جسکو میں لیکر آیا ہوں۔‘‘ (مشکوٰۃ:۳۰)

(۲) نبی کریم ﷺ کی سنت کے تارک اور آپ کے اوامر کی اقتدار نہ کرنے والے ناخلف دروغ گو اور غلط کار ہیں اور جو شخص ان کے ساتھ، ہاتھ، زبان یا دل کے ساتھ جہاد نہیں کرتا وہ بھی

ذرہ ایمان سے محروم ہے۔

"عن ابنِ مَسْعودٍ رَضی الله عَنهُ قال قال رسولُ اللّٰهِ ما مِنْ نبيٍ بَعَثه اللّٰهُ فِيْ أمتهِ قَبلِی إلا کَانَ لَهُ فی أمته حَوارِیُونَ وأصحاب یأخُذُونَ بِسُنَتِهِ ویقتدون بأمرِهِ، ثُمّ إنّها تخلُف مِن بَعْدِهم خُلُوفٌ یقُولُونَ ما لا یَفْعَلُونَ ویفعلُونَ ما لا یُؤمَرونَ فَمَنْ جاهَدَهُم بیَده فَهُو مُؤمِنٌ ومَن جَاهَدَهم بِلِسانِهِ فهُو مُؤمِنٌ ومَن جاهَدَهم بِقلبِهِ فَهُو مُؤمِنٌ ولیس وراء ذٰلِكَ مِن الإیمان حَبةُ خردلٍ" (رواہ مسلم)

(ترجمہ) ''عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے پہلے جس نبی کو بھی اللہ تعالیٰ نے بھیجا اس کی امت میں ضرور ایسے خاص لوگ اس کے دین کے مددگار رہا کئے جو اس کی سنت پر عمل پیرا ہوتے اور اس کے حکم کی اقتدار کرتے۔ پھر ان کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے جو ایسی باتیں کہتے جن پر عمل نہ کرتے اور ایسے افعال کرتے جن کا ان کو حکم نہیں دیا گیا (یہی اس امت میں ہوگا) پس جو شخص ان لوگوں کے ساتھ ہاتھ سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور جو ان کے ساتھ دل سے جہاد کرے وہ بھی مومن ہے اس کے علاوہ ایمان کا ذرہ نہیں۔''

(مشکوٰۃ ص:۲۹ بروایت صحیح مسلم)

(۳) سنت نبویہ (ﷺ) سے اعراض کرنے والوں کا ذات نبوی ﷺ سے کوئی تعلق نہیں۔

"عن أنسٍ رَضی اللّٰه عنه عَنِ النّبی صلی اللّٰه علیه وسلم (فی حدیثٍ فیهِ قِصةٌ) فَمَن رَغِبَ عَن سُنّتی فَلَیسَ مِنّی" (متفق علیه)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے میری سنت سے بے رغبتی کی وہ مجھ سے نہیں۔'' (بخاری ومسلم)

(۴) انکار حدیث کا نعرہ لگانے والے دجال اور کذاب ہیں۔

"عن أبی هریرة رضی اللّٰه عنه قال قال رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم: یکونُ فی آخرِ الزمان دجّالُونَ کَذّابُونَ یَأْتُونَکُمْ مِن الأحادیث ما لم تَسمَعُوا أنتُم ولا آبائکم فإیاکُم لا یضِلُّونَکُمْ ولا یفتِنُونَکُمْ" (رواہ مسلم)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: آخری زمانہ میں ایسے ایسے دجال اور کذاب ہوں گے جو تمہیں ایسی ایسی باتیں سنائیں گے جو نہ تم نے کبھی سنی ہوں گی نہ تمہارے باپ دادا نے۔ پس ان سے بچو،

ایسا نہ ہو کہ تمہیں گمراہ کردیں یا فتنہ میں ڈال دیں۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو لوگ ایسے نظریات پیش کرتے ہیں جو امت کی گذشتہ صدیوں میں کبھی نہیں سنے گئے وہ دجال و کذاب ہیں انکار حدیث کا نظریہ بھی اسی قسم کا ہے۔

(۵) انکار حدیث کا منشا شکم سیری، ہوا پرستی اور گندم خوری کے سوا کچھ نہیں۔

"عن المقدام بن معديكرب رضى الله عنه قال قال رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: ألا إني أُوتيتُ القرآن ومِثلَهُ معه ألا يوشك رجلٌ شبعان على أريكته يقول عليكم بهذا القُرآن فَمَا وَجَدتُم فيه مِنْ حلالٍ فأحلُوه وما وَجَدتُم فيه من حرامٍ فحَرِمُوه وأن ما حَرَمَ رَسُول اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم كما حرم اللّٰه". الحديث (رواہ ابوداؤد، دارمی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ ص ۲۹)

"مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ سن رکھو! مجھے قرآن بھی دیا گیا اور قرآن کے ساتھ اس کے مثل بھی، سن رکھو! قریب ہے کہ کوئی پیٹ بھرا تکیہ لگائے ہوئے یہ کہنے لگے کہ لوگوں! تمہیں یہ قرآن کافی ہے بس جو چیز اس میں حلال ملے اسی کو حلال سمجھو! حالانکہ اللہ کے رسول کی حرام بتلائی ہوئی چیزیں بھی ویسی ہیں جیسی اللہ تعالیٰ کی حرام بتلائی ہوئی۔"

(۶) جب امت میں اختلاف رونما ہوجائے اور ہر فرقہ اپنی تائید قرآن سے ثابت کرنے لگے۔ اس وقت سنت نبوی کو لازم پکڑنا اور قرآنی مطالب کے افہام وتفہیم میں اسوۂ نبوت کو فیصل قرار دینا ہی اصل منشا دین ہے۔ ایسے نازک وقت حدیث نبویؐ سے دست کشی گمراہی کا پہلا زینہ ہے۔ اور نئے نظریات اور اعمال کا اختراع کجروی کا سنگ بنیاد ہے۔

"عن العرباض بن سارية رضى اللّٰه عنه قال صَلّى بنا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى اللّٰه عليه وسلم ذاتَ يومٍ ثُمّ أقبَلَ علينَا بوجهِهِ فَوَعظَنا مَوْعِظَةً بليغة ذَرَفَتْ مِنْها العيون، ووَجِلَتْ مِنهَا القلوب، - فقال رَجُلٌ يا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى اللّٰه عليه وسلم كَانَّ هٰذِهِ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَأوصِينا - فقال أوصِيكُمْ بتقوَى اللّٰه والسَمع والطاعَة، وإن كان عبدًا حبشيًا" (رواہ أحمد، ابوداود والترمذی، مشکوۃ، ص: ۲۹)

"حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ہمیں نماز پڑھائی، پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے۔ پس ہمیں بہت ہی موثر وعظ فرمایا۔ جس سے آنکھیں بہہ پڑیں، اور دل کانپ گئے۔ آپؐ سے ایک شخص

نے کہا یارسولؐ اللہ یہ تو ایسا لگتا ہے، جیسے کسی رخصت کرنے والے کی نصیحت ہو۔
پس ہمیں وصیت فرمائیے۔ فرمایا... کہ میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے
ڈرتے رہنا اور اپنے حکام کی بات سننا اور ماننا خواہ حاکم حبشی غلام ہو۔

(۷) حدیث جیسے بدیہی اور اجماعی مسائل میں نزاع اور جدال پیدا کرنے والے ہدایت چھوڑ کر راہ ضلالت اختیار کئے ہوئے ہیں۔

"عن أبی أمامة رضی اللّٰه عَنهُ قال قال رسولُ اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ما ضل قوم بعد هُدیً کانوا علیه إلا أوتُوا الجدل، ثُمّ قرأ رسولُ اللّٰهَ صلی اللّٰه علیه وسلم مَا ضَرَبُوه لكَ إلا جَدلا، بل هُم قومٌ خَصِمُونَ" (رواه احمد، وأبوداود والترمذی)

"حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہادی اعظم ﷺ کا ارشاد ہے۔
جب بھی کوئی قوم ہدایت کھو کر گمراہ ہو جاتی ہے۔ انہیں جھگڑا دے دیا جاتا ہے (پھر
وہ ایسے واضح مسائل میں بھی جھگڑتے ہیں۔ جن میں نہ کبھی نزاع کی نوبت آئی اور
نہ عقل سلیم ایسے امور میں بحث بحثی کا تصور کر سکتی ہے۔"

(۸) زہر ضلالت کیلئے اسوہ نبوت تریاق اعظم ہے جب تک کتاب اللہ کے ساتھ سنت رسول اللہ ﷺ کو دینی سند کی حیثیت سے تسلیم کیا جاتا رہے گا۔ امت گمراہی سے محفوظ رہے گی، لیکن جونہی کتاب وسنت میں تفریق کی جانے لگے گی اور امت کی آوارہ مزاجی کتاب اللہ کے ساتھ سنت رسول اللہ ﷺ کے اتباع کو بار دوش تصور کرنے لگے گی، اس وقت امت قعر ضلالت میں جا گرے گی۔

"عن مالِكِ بن أنسٍ قال قال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم تركتُمُ فیكم أمرین لَنْ تضلّوا ما تَمَسكتُم بِهِما، كتابُ اللّٰهِ وَسُنةُ رسُولِهِ" (رواه فی الموطأ)

"امام مالک نے مرسلاً روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ میں تم میں دو
چیزیں چھوڑے جاتا ہوں جب تک ان دونوں کا دامن مضبوطی سے تھامے رہو گے
ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ (۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول اللہ

(۹) آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کے بعد کسی شخص کے لئے بھی یہ گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ وہ آپ ﷺ کے اتباع سے انحراف کرے۔ حتی کہ اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو ان کو بھی آپ ﷺ کے اتباع کے بغیر چارہ کار نہ ہوتا۔

"عن جابرٍ رضی اللّٰه عَنه عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم لَوْ كَانَ مُوسی حَیًّا مَا وَسِعَه إلا اتباعی" (رواه أحمد، والبیهقی، مشكوة، ص: ۳۰)

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا۔ اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔''

"وفی روایۃٍ والذی نفسُ محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم بیدہٖ لو بدأ لکم موسیٰ فاتبعتُمُوہ وترکتمونی لضلَلتُم عَنْ سواءَ السبیل وَلو کان موسٰی حیًا وأدرکَ نبوتی لاتبعنی" (رواہ الدارمی، مشکوٰۃ ص ۳۲)

''اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے۔ اگر وہ (یعنی موسیٰ علیہ السلام) تمہارے سامنے ظاہر ہو جائے پس تم ان کی اتباع کرو اور مجھے چھوڑ دو تو تم راہ راست سے قطعاً بھٹک جاؤ گے، اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے اور میری نبوت کا زمانہ پا لیتے تو بالضرور وہ میری ہی پیروی کرتے۔'' (دارمی، مشکوٰۃ:۳۲)

(۱۰) آنحضرت ﷺ کی حدیث پوری طرح محفوظ کرنے اور امانت نبوت دوسروں تک پہنچانے والے بارگاہ نبوت سے تازہ روئی کی دعاؤں کے مستحق ہیں۔

"عن ابنِ مسعودٍ رضی اللّٰہ عَنہ قال قال رسُولُ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نَضّرَ اللّٰہُ عَبدًا سَمِعَ مقالتِی فَحَفِظَھا ووعاھا فأدّاھا" (رواہ أحمد، والترمذی، أبوداود ابن ماجہ مشکوٰۃ ص ۲۹)

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اس بندے کو خوش و خرم رکھے، جس نے میری حدیث سنی اور اسے یاد کیا اور محفوظ رکھا۔ پھر جیسی سنی تھی، ٹھیک ٹھیک ادا کر دی۔''

اور امام احمد، ترمذی اور ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی نے یہ حدیث حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے (یہ تمام احادیث مشکوٰۃ شریف میں ہیں)

خدا تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی شہادت آپ کے سامنے ہے۔ ان دو شاہدوں کی شہادت کے بعد اہل ایمان کے لئے شک اور تردد کی گنجائش ظاہر ہے کہ باقی نہیں رہ جاتی۔ البتہ جن سے ایمان کی دولت ہی کو سلب کر لیا گیا ہو، کس کے اختیار میں ہے کہ ان کو تشکیک کے روگ سے نجات دلا سکے اور کونسا سامان ہدایت ہے جو ان کے لئے سودمند ہو سکے۔ "فَمَا تغنِ الآیاتِ والنُذر عن قومٍ لا یؤمِنون" (جن کو ایمان نہیں لانا ہے ان کے لئے نہ کوئی آیت سودمند ہو سکتی ہے نہ کوئی ڈرسنانے والے)

سلامت طبع کے ساتھ قرآن پڑھنے والا حیران رہ جاتا ہے کہ اسی قرآن کا حوالہ دے کر بتلانے والے لوگوں کو یہ بتلاتے ہیں کہ

''یہ تصور قرآن کی بنیادی تعلیم کے منافی ہے کہ اطاعت اللہ کے سوا کسی اور کی بھی ہو سکتی ہے حتی کہ خود رسول (بغیر صلوٰۃ وسلام) کے متعلق واضح اور غیر مبہم الفاظ میں بتلا دیا، کہ اسے بھی قطعاً یہ حق حاصل نہیں کہ لوگوں سے اپنی اطاعت کرائے۔''

(معارف القرآن از پرویز)

مسلمانوں کے ہاتھ میں جو قرآن ہے اس کی بنیادی تعلیم اوپر معلوم ہو چکی ہے، جس میں بار بار اطاعت رسول (ﷺ) پر زور دیا گیا ہے، سوال یہ ہے کہ آخر وہ کونسا قرآن ہے جس کی بنیادی تعلیم اطاعت رسول ﷺ کے منافی ہے اور قرآن کے وہ کونسے واضح اور غیر مبہم الفاظ ہیں جن میں آنحضرت ﷺ سے اطاعت کا حق سلب کیا گیا ہے۔ قرآن کی جو آیات اوپر نقل کی گئی ہیں۔ ایک دفعہ انہیں پھر سے بار بار پڑھ لیجئے اور ان کے ساتھ مسٹر پرویز کی مندرجہ بالا عبارت کو ملایئے اور پھر فیصلہ کیجئے کہ اس سے بڑھ کر افتراعلی اللہ کبھی کیا گیا؟

قرآن حکیم بتاتا ہے کہ نبی کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔ قرآن کا نام چرانے والے مفتری اعلان کرتے ہیں کہ

''رسول... کو بھی قطعاً حق حاصل نہیں کہ لوگوں سے اپنی اطاعت کرائے۔''

قرآن کریم نبی کریم ﷺ کی اطاعت کو عین اطاعت خداوندی قرار دیتا ہے اور آپ ﷺ کے حکم سے اعراض کرنے والوں کو منافق قرار دیتا ہے، لیکن قرآن کا نام بدنام کرنے والے منافق لوگوں کو بتلاتے ہیں کہ

''اسے (نبی کو) بھی کوئی حق حاصل نہیں کہ ''کسی سے اپنی اطاعت کرائے۔''

بہر کیف قرآن کی آیات آپ کے سامنے ہیں۔ ان کو پڑھ کر فیصلہ کیجئے کہ کیا یہی قرآن رسول اقدس ﷺ سے اطاعت کا حق چھین سکتا ہے؟ جس کی صدہا آیات میں بار بار حلفی تاکیدات کے ساتھ اطاعت رسول ﷺ کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

دنیا کی جس گمراہی پر غور کرو گے، اس کا آخری نقطہ اس قدر کج در کج اور پیچ در پیچ ہوگا جس سے عقل سلیم نفرت کرے گی اور جسے ثابت کرنے کے لئے زمین و آسمان کے ہزاروں قلابے ملائے جائیں گے، تاہم عقل صحیح اسے ہدایت کی ادنیٰ ٹھوکر سے ٹھکرائے گی۔

فتنہ انکار حدیث نے کس قسم کے ہذیانات اور خرافات کو جنم دیا اس کی تفصیل تو شاید کسی

دوسری جگہ آئے گی، لیکن ایک خرافاتی معمہ کا تذکرہ یہاں بھی کر ہی دینا چاہئے۔

مطلب یہ کہ ایک طرف آپ ان کج طبع اور خام عقل لوگوں سے سنیں گے کہ وہ صاحب وحی ﷺ سے قرآن کا بیان کردہ ''حق اطاعت'' چھین لیتے ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ اطاعت کا یہی حق وہ ''مرکز ملت'' کے نام سے حکومت وقت کو دے ڈالتے ہیں۔ ایک طرف یہ چاہا جاتا ہے کہ پوری امت کا رشتۂ اطاعت اس کے نبی ﷺ سے کاٹ دیا جائے۔ دوسری طرف ایڑی چوٹی کا زور لگایا جاتا ہے کہ ہر سکندر و دارا کو اللہ اور رسول مان کر اس کے سامنے سر نیاز خم کر دو۔ ایک جانب رسول اللہ ﷺ کو پیغام رسانی کے بعد منصب رسالت سے معزول کر دیا جاتا ہے۔ دوسری جانب بتلایا جاتا ہے (اور قلم کو تاب نہیں کہ اسے آسانی سے نقل کرنے پر آمادہ ہو) کہ

''قرآن حکیم میں جہاں اللہ و رسول کا ذکر آیا ہے اس سے مراد مرکز نظام حکومت ہے۔'' (معارف القرآن از پرویز)

استغفر اللہ ایک طرف اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول ﷺ سے عداوت و دشمنی کا یہ عالم کہ آنحضرت ﷺ کی ایک بات کا ماننا بھی گوارا نہیں کیا جاتا، دوسری طرف طاغوت کے ساتھ دوستی کا یہ حال کہ ہر ڈکٹیٹر کو خدائی اور رسالت کا منصب تفویض کیا جاتا ہے، اور اصرار کیا جاتا ہے کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں ''اللہ و رسول'' کا لفظ دیکھو اس سے مراد صدر مملکت سمجھو، اور سچے خدا اور سچے رسول ﷺ کو چھوڑ کر ہر چڑھتے سورج کی پوجا کرو۔ اسکندر مرزا ہو یا غلام محمد، ناظم الدین ہو یا ایوب خان، ذوالفقار علی بھٹو، صدر ضیاء الحق، جونیجو یا بینظیر، جو بھی کرسی نشین اقتدار ہو، اسی کو اللہ اور رسول سمجھو! اسی کے سامنے ڈنڈوت بجالاؤ۔ اور چند ٹکے سیدھے کرنے کے لئے اللہ و رسول سے اطاعت چھین کر برسر اقتدار قوت کو دے ڈالو۔ ولا حَولَ ولا قُوَّةَ إلا باللّٰہ ستم یہ کہ اگر ایسا نہ کرو گے تو نہ ''اسلام طلوع'' ہوگا، نہ قرآنی ربوبیت منظر عام پر آئے گی بلکہ اسلام عجمی سازش کا شکار رہے گا۔

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو!

کیا اس سے زیادہ کجی اور زیغ پن کی مثال دنیا کی تاریخ پیش کر سکتی ہے؟

انکار حدیث کوئی علمی تحریک نہیں۔ یہ جہالت کا پلندہ ہے۔ اس کا اصل منشا صرف یہی ہے کہ اب تک ایک ہی خدا کی عبادت اور ایک رسول ﷺ کی اطاعت کی جاتی تھی۔ لیکن اس نام نہاد ترقی یافتہ دور کے تعلیم یافتہ آزروں کو ہر روز نیا خدا چاہئے، جس کی وہ پوجا کیا کریں، اور ہر بار نیا رسول ہونا چاہئے جو ان کے لئے نظام ربوبیت کی قانون سازی کیا کرے؟ خدا کا غضب ہے کہ پڑھے لکھے لوگوں کو یہ بتایا جاتا ہے کہ اللہ و رسول سے مراد ''مرکز ملت'' ہے لیکن ان میں کسی کو بھی

اس کے سننے سے قے نہیں آتی۔

کیا کوئی ذی شعور تسلیم کرے گا کہ ''اللہ'' ذات پاک کا نام نہیں بلکہ اس سے مراد ''مرکز ملت'' ہے اور ''الرسول'' کا لفظ جو قرآن میں بار بار آتا ہے اس سے مراد ''محمد رسول اللہ ﷺ'' نہیں بلکہ اس سے مراد حکمرانوں کی وہ ٹولی ہے جو اپنے پاس سے قانون گھڑ گھڑ کر قرآن کے نام چسپاں کیا کرے؟

(فویلٌ لِلّذِینَ یکتُبونَ الکِتابَ بأیدِیھم ثُم یقُولُونَ ھذا مِن عِند اللّٰہ)

اب تک دنیا کے عقلا یہی بتلاتے رہے کہ اعلام شخصیہ میں شرکت جائز نہیں۔ یعنی زید جس خاص شخص کا نام رکھا گیا ہے لفظ زید جس وقت کان میں پڑے گا تو ذہن صرف اسی شخص کی طرف منتقل ہوگا جس کا یہ نام رکھا گیا لیکن دوسروں کو ''ملائیت اور دقیانوسیت کا طعنہ دینے والے پیران نابالغ آج بتلاتے ہیں کہ لفظ ''اللہ'' یا ''الرسول'' جس ذات خاص کا نام ہے اس سے وہ ذات خاص مراد نہیں بلکہ قرآن میں جہاں بھی یہ لفظ آیا ہے اس سے مراد صدر مملکت ہے جسے ہر پانچ سال بعد تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ کیا اس منطق کو سمجھنے کے لئے کچھ زیادہ عقل وفہم کی ضرورت ہے؟

عقل سوخت زحیرت کہ چہ بوالعجبی است

ماں، باپ، بہن، بھائی، بیوی، بچوں کے مفہوم میں یہ تمام کجروی اختیار نہیں کی جاتی۔ لیکن اللہ رسول کے مفہوم میں عقل وفہم کے علی الرغم یہ کجی ''مرکز ملت'' کی تائید کے ساتھ کی جاتی ہے۔ اور ماننے والے پوری ''دانائی'' کے ساتھ اسی کو مانتے چلے جارہے ہیں جن مسکینوں کا اللہ ورسول ہی صنم اقتدار ہو جس کو مرکز ملت کہتے ہیں اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان کے دین وایمان علم وعقل اور فہم ودانش کا حدود اربعہ کیا ہے؟ نیز بیچارے 'قرآن' کے ساتھ ان کو کیا علاقہ ہے۔ جس کی آیتیں پڑھ پڑھ کر چودہ صد سالہ امت کو عجمی سازش کا شکار قرار دیا جاتا ہے۔

''فکر ونظر'' کی کجی سے خدا کی پناہ! اتنی صاف، سادہ اور ستھری حقیقت کو ان فتنہ گروں کا ذہن قبول نہیں کرتا کہ چونکہ محمد رسول اللہ ﷺ کو قرآن کے نازل کرنے والے کی جانب سے اس کی توضیح وتشریح کا حق بھی عطا کیا گیا ہے۔ "لتبین للناس ما نزل الیھم" اور جو لوگ محمد ﷺ کے امتی کہلاتے ہیں ان کے لئے لازم قرار دیا گیا ہے کہ وہ قرآن کریم کو اپنے نبی (ﷺ) کی شرح و بیان کے ساتھ سمجھیں، پڑھیں اور عمل کریں۔ اس لئے قرآن کے ماننے والوں کو لازم ہے کہ قرآن کی وہ علمی اور عملی تشریحات جو قرآن لانے والے کی جانب سے پیش کی گئیں ہیں ان کو بھی قبول کریں۔ اور قرآن کی کوئی ایسی شرح ایجاد نہ کریں جو صاحب قرآن کی پیش کردہ تعلیمات سے ٹکرا جائے یہ بات کتنی صاف اور سیدھی ہے لیکن ان کے لئے ناقابل قبول ہے۔ اور اس کے

برعکس بالکل ٹیڑھی، ترش اور کج درکج بات کہ

''قرآن میں جہاں کہیں اللہ ورسول کا نام آیا ہے۔ اس سے مراد مرکز نظام حکومت ہے'
اسی کو ان کے کج دماغ اور مبتلائے فتنۂ ذہن قبول کئے جارہے ہیں۔

نعوذ باللہ من فتنه الصدور و سیعلمون الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون ۔
ان ظالموں کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ وہ لوٹنے کیلئے کس جگہ لوٹ کر جاتے ہیں۔

۲۔عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں حدیث کا مقام

قرآن وحدیث کے بعد ہمارے سامنے صحابہ کرامؓ کا تعامل ہے۔ صحابہ کرامؓ کے حالات پر صحیح غور وفکر کا جن لوگوں کو موقع ملا ہے، ان کو معلوم ہے کہ حضرات صحابہؓ کی سیرت کا ایک ایک باب اخلاص وانقیاد اور اتباع وامتثال کا حسین مرقع ہے۔ ان کی ہر ادا سے اتباع نبوی کی شان ٹپکتی ہے۔ ان کو آنحضرت ﷺ کے فیض صحبت سے مشرف ہی اس لئے کیا گیا تھا تاکہ وہ آنحضرت ﷺ کے اخلاق وعادات، عبادات ومعاملات اور آپ کے اسوۂ حسنہ کو اپنی ذات میں جذب کر کے حسب استعداد آپ کے رنگ میں رنگین ہو جائیں اور بعد میں آنے والی امت کو اس رنگ میں رنگین کرتے چلے جائیں۔

معلم انسانیت (ﷺ) کے ان بلا واسطہ شاگردوں کے متعلق یہ تصور کرنا کتنا گندا اور مکروہ ہے کہ وہ آپ ﷺ کی تعلیمات اور احادیث کو کوئی مرتبہ نہ دیتے تھے۔ العیاذ باللہ، کج ذہنی اور خام عقلی کی حد ہے کہ تلاش کرنے والے اسی ذخیرہ حدیث سے جو سب کا سب صحابہؓ سے مروی ہے۔ آج ایسی روایات تلاش کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ جن سے ثابت کیا جائے کہ معاذ اللہ صحابہ کرام حدیث نبوی کے دشمن، تعلیم نبوت کے مخالف اور سنت رسول کے مٹانے والے تھے۔ تعجب عقل وفہم کے ان مریضوں پر نہیں، بلکہ حیف ان نادانوں پر ہے جو ان دیوانوں کے ہذیانات پر وحی الٰہی کی طرح ایمان لاتے چلے جاتے ہیں۔

''دیوانہ گفت آبلہ باور کرد''

کیا کسی کی عقل باور کر سکتی ہے کہ جس امی قوم میں آنحضرت ﷺ کو الرسول کی حیثیت سے کھڑا کیا گیا تھا اسی قوم میں سے جن حضرات کو آپ ﷺ پر ایمان لانے کی توفیق دی گئی، آپ کی خدمت کے لئے جن کو چن لیا گیا، آپ کی حمایت اور نصرت کے لئے جن کو اٹھایا گیا اور آپ پر مر مٹنے ہی کے لئے جن کو آپ کے زمانہ میں پیدا کیا گیا، کیا وہ دنیا میں لائے ہی اس لئے گئے تھے

کہ آپ ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد آپ کی ایک ایک سنت کو مٹا ڈالیں۔ آپ کی سیرت کا ایک ایک ورق دھوڈالیں اور آپ ﷺ کے قول وفعل علم وعمل، سیرت وکردار، اخلاق وعادات اور قضایا واحکام میں سے ایک ایک کو بدل ڈالیں۔ کتابیں پڑھنے اور پڑھ پڑھ کر خدا کی مخلوق کو گمراہ کردیں اور صحابہ کرامؓ کی زندگی میں انکار حدیث کی روایات تلاش کرنے سے پہلے کیا اتنی عقل سے کام لینا ضروری نہیں تھا کہ صحابہ کرام کو صحابہ بنایا کس مقصد کے لئے گیا تھا اور بعد میں آنے والے لوگوں کو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں جو پیدا نہیں کیا گیا اس میں کیا حکمت ہے۔

جن نفوس قدسیہ کو آنحضرت ﷺ کی صحبت کیلئے منتخب کیا گیا، مسلسل تئیس سال تک امتحان اور آزمائش کی بھٹی میں جن کو نکھارا گیا، جن کو تعلیم وتربیت، تزکیہ وتطہیر، اصلاح وتکمیل کے لئے عالم انسانیت کے سب سے بڑے معلم، سب سے بڑے مصلح ﷺ کے سپرد کیا گیا، خداوند قدوس کے آخری نبی ﷺ کی لائی ہوئی آخری شریعت کا سب سے پہلا امین اور محافظ جن کو بنایا گیا اور طویل مدت تک اسوۂ حسنہ کا رنگ جن کی زندگی کے ہر خاکہ میں بھرا گیا۔ مسجد نبوی کے علاوہ بدر کے میدانوں، احد کی پہاڑیوں۔ حدیبیہ کی وادیوں، حنین کی گھاٹیوں اور تبوک کے کھنڈرات کو جن کیلئے تعلیم گاہ قرار دیا گیا۔ کیا انہی کے متعلق عقل تسلیم کرسکتی ہے کہ نبی ﷺ کے رخصت ہوجانے کے بعد قرآن کے سوا وہ اپنے نبی کی ہر تعلیم سے بیگانہ، آپ ﷺ کی ہر سنت سے ناآشنا ہوگئے ہوں گے۔ اور ان کے نزدیک آپ کی احادیث کا مرتبہ محض بے سروپا داستان سرائی ہوگا۔ استغفراللہ! پیش کرنے والے (حکام وقت کی رضاجوئی کیلئے) اسی نظریہ کو جو پیش کررہے ہیں بتلایا جائے کہ فساد ذہن اور خلل دماغ کے سوا، عقل اس کی کیا توجیہہ کرسکتی ہے؟ نعوذ باللہ من فتنته الصدور..

صحابہ کرامؓ جنھوں نے ایک ہی ذات اقدس ﷺ کی رفاقت کے لئے بیوی بچوں سے جدا ہوجانا گوارا کیا، خویش واقربا کو چھوڑا، قبیلہ اور قوم سے منہ موڑا، ملک بدر ہوئے، جاہ وجلال اور زرو مال کو بھی خیرباد کہا، الغرض جو پوری کائنات سے کٹ کر ایک ہی ذات کے قدموں میں آپڑے تھے، جو جلوہ ہائے رنگارنگ سے ہٹ کر ایک ہی جلوہ جہاں آرا پر نظریں جما چکے تھے، جو ایک ہی مطاع کے سامنے مٹ کر اپنی زندگی کو ایک ہی زندگی میں فنا کردینے کا عزم کرچکے تھے، جو ایک ہی مقتدا کی اتباع میں اپنی تمام خواہشات سے دست کش ہوجانے کا فیصلہ کرچکے تھے، جن کی وارفتگی کو دیکھ کر حقیقت ناشناس ان کے بے عقل ونادان اور رفتار زمانہ سے ناواقف ہونے کا طعنہ دیا کرتے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے کہ کافر اور منافق لوگ آنحضرت ﷺ کے صحابہ کو دیکھ کر کہتے تھے (غَرَّ هٰؤُلَاءِ دِينُهُمْ) ''ان لوگوں کو ان کے دین نے دھوکے میں ڈال دیا۔'' (أَنُؤْمِنُ كما آمن السفهاءُ)

(القرآن) ''کیا ہم نبی اور نبی کی ہر بات کو ایسا مان لیں جیسا یہ کم عقل مان بیٹھے ہیں'' جن صحابہؓ کی جاں نثاری کا تماشہ وقت کے سب سے بڑے دشمن سے بھی خراج عقیدت وصول کر لیا کرتا تھا۔

زید بن وثنہ کو جب برسرِ دار کھینچنے کے لئے میدان میں لایا گیا، تو ابوسفیان نے (جو بعد میں رضی اللہ عنہ کا مصداق بنے) کہا، صرف اتنا لفظ زبان سے کہہ دو کہ کاش میری جگہ ''محمد رسول اللہ ہوتے'' تو تمہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ لیکن کسی کی محبت میں تختہ دار جس کے لئے تیار کیا گیا تھا، جانتے ہو اس کی زبان سے کیا لفظ نکلا۔

"واللّٰہِ مَا أحبُّ إنَّ محمدًا الآن فی مکانه الذی هُوَ فیه تُصیبه شوکةٌ وأنا جالِسٌ فی أهلی. (الشفاء بتعریب حقوق المصطفیٰ، قاضی عیاضؒ)

''بخدا مجھے یہ بھی گوارا نہیں کہ آنحضرت ﷺ جس جگہ اب تشریف فرما ہیں، اس جگہ آپ کو کانٹا چبھے اور میں اپنے گھر بیٹھا رہوں۔''

اس جاں گداز فقرے کو سن کر پتھر دل مجمع تڑپ گیا۔ ابوسفیان کو اقرار کرنا پڑا اور اقرار صرف اس کے متعلق نہیں جس سے یہ فقرہ سنا گیا بلکہ پوری ایمانی برادری کے متعلق ابوسفیان کا اقرار ہے۔

"ما رَأیتُ مِنَ النّاسِ یُحِبُّ أحَدًا کَحُبِّ أصْحَابِ محمدٍ مُحَمَّدً ﷺ.

''محمدؐ کے صحابہ محمد کے ساتھ جس قدر محبت کرتے ہیں، میں نے ایسی محبت کسی کو کسی کے ساتھ کرتے نہیں دیکھا۔''

جو حضرات اپنے باپ کا سر کاٹ لانے کے لئے محض آپ ﷺ کے اشارہ چشم کے منتظر رہا کرتے تھے، جو عمر بھر گریبان کھلا رکھنے کے اس وجہ سے عادی ہو گئے تھے کہ کسی کو انھوں نے ایک دفعہ کھلے گریبان دیکھ لیا تھا، جو سر کے بال اس لئے نہیں کٹواتے تھے کہ کسی کا ہاتھ ایک دفعہ ان بالوں پر پھر گیا تھا۔ جو خاص قسم کی سبزی کے اس لئے گرویدہ ہو گئے تھے کہ اس کی رغبت ان کو کسی میں محسوس ہو گئی تھی۔

سوچنا چاہئے کہ ان کا حال اس محبوب ﷺ کے ساتھ کیا ہوگا اور اس محبوب کے ارشادات کی ان کے نزدیک کیا قدر و قیمت ہوگی۔ سچ تو یہ ہے اور اس کا صحیح اندازہ بھی بیچارے بعد میں آنے والوں کو کب ہوسکتا ہے اور ان جذبات و احساسات کی پوری تصویر کشی بھی کب ممکن ہے۔ بالخصوص جب اس پر بھی نظر کر لی جائے کہ جس جلوہ جہاں آرا کی زیارت سے دیدہ و دل کی روشنی کا سامان ان کو میسر ہوا کرتا تھا، اب وہی ان کی نظروں سے پردہ میں جا چکا تھا، جس شمع عالم افروز پر پروانہ وار جاں نثاری کا منظر وہ رات دن پیش کیا کرتے تھے۔ وہی شمع عالمتاب اب محفل سے اٹھائی جا چکی تھی۔

ان کے ہر درد کا درماں جس چہرۂ انور کی زیارت تھی، وہی ان کے سامنے سے اوجھل ہو گیا تھا، ان حالات میں ان کے زخم دل کا مرہم اور داغ جگر کا مداوا بجز تکرار حدیث یار ہو بھی کیا سکتا تھا؟

ما ہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الاّ حدیث یار کہ تکرار مے کنیم

راقم الحروف کو چند گھنٹوں کے لئے ایک معمر خاتون کی خدمت میں حاضری کا اتفاق ہوا، ان کے والد ماجد ایک پختہ عالم اور درویش طبع انسان تھے۔ والد ماجد کی تعلیم سے زیادہ تربیت کا ان پر گہرا اثر تھا۔ اسی خاتون کو میں نے دیکھا کہ بار بار ان کی زبان سے بے ساختہ نکل جاتا۔ ابا جی اسی طرح کیا کرتے تھے۔ ابا جی یہ مسئلہ اس طرح بیان کرتے تھے۔

میں تنہائیوں میں بار بار سوچتا ہوں کہ یا اللہ! جو خوش قسمت آنحضرت ﷺ کے بلا واسطہ تربیت یافتہ تھے بلکہ مجھے اجازت دی جائے تو میں کہوں گا کہ جن حضرات کی تعلیم و تربیت کا سامان خود رب العزت جل مجدہ کی جانب سے کیا جارہا تھا اور قدم قدم پر جن کی تربیت کے لئے آنحضرت ﷺ کو بار بار ہدایات فرمائی جارہی تھیں جیسا کہ قرآن حکیم کی آیات شاہد ہیں، ملائکہ کو جن کی تثبیت (ثابت قدم رکھنے) کے لئے بھیجا گیا تھا، الغرض وحی اور صاحب وحیؐ جس کی تربیت کے نگران تھے ان کی تربیت کا رنگ کتنا گہرا، کتنا پختہ، کتنا پائیدار اور کتنا انمٹ ہوگا؟ (صِبغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبغَة)

سوچا نہیں جاتا جس آفتاب نبوت ﷺ کی کرنیں، آج چودہ صدیوں کے فاصلے پر بھی کروڑوں قلوب کو روشن اور تابناک کر رہی ہیں وہی آفتاب خوش قسمتی سے جن کے گھر طلوع رہا ان کے آئینۂ قلب کی روشنی کا کیا عالم ہوگا۔ لمبی لمبی راتوں میں تڑپنے والے قلب کی حرارت جب ہزار سال بعد بھی بے شمار دلوں کو گرما اور تڑپا رہی ہے۔ جن کے سامنے وہ تڑپایا جاتا تھا اور اس کے سینے سے ہنڈیا پکنے کی آواز جن کو ان ناسوتی کانوں سے سنائی دیا کرتی تھی ان کی گرمیٔ باطن اور سوزِ دروں کا کیا حال ہوگا۔ ان باتوں کو کہاں تک بیان کیا جائے۔

حسن ایں قصۂ عشق است در دفتر نمی گنجد

بہرکیف عقلیں اگر ماؤف نہیں ہوگئیں، دماغوں سے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں اگر بالکلیہ رخصت نہیں ہوگئیں تو میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ ان حالات میں جن کا ایک شمہ نقل کر چکا ہوں، صحابہ کرامؓ کے متعلق کیا یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے محبوب رسول اکرم ﷺ کی تمام ادائیں یکسر بھول گئے ہوں گے یا وہ ان کو قصہ کہانی سے زیادہ کوئی وقعت نہ دیتے ہوں گے لَقَدْ جِئْتُمْ

شیئاً إذًا لوگوں کو آج تعجب ہوتا ہے کہ وہ ایک ایک جملہ حدیث کی تصدیق و تائید کے لئے ایک ایک ماہ کی طویل مسافت کیسے طے کیا کرتے تھے وہ طلب حدیث کے نشہ میں گرما و سرما کی شدتوں سے بے پروا کیسے ہو گئے تھے، صاحب حدیث ﷺ کا نام زبان پر جب آجاتا ان کا رنگ کیونکر بدل جاتا تھا، ان کے بدن پر لرزہ کیونکر طاری ہو جاتا تھا، ان پر گریہ و زاری اور رقت و بے قراری کی کیفیت کس لئے طاری ہو جاتی تھی؟

ہائے! تعجب سے سر پیٹنے والے ان نادانوں کو کس طرح سمجھایا جائے کہ عشق نبوی کی جو آگ ان کے دلوں میں لگا دی گئی تھی اس کا نتیجہ اس کے سوا ہو بھی کیا سکتا تھا؟

حضرت صدیقؓ اور حدیث رسول ﷺ

یہاں تک جو بیان کیا جا چکا ہے اس سے ہر ذی شعور عقل سلیم کی روشنی میں فیصلہ کر سکتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کا تعلق حدیث اور صاحب حدیث ﷺ کے ساتھ کیسا تھا۔ اب اس طرف توجہ منعطف کرانا چاہتا ہوں کہ صحابہ کرامؓ کے نزدیک حدیث رسول ﷺ کا کیا مقام تھا۔ صحابہ کرامؓ قرآن حکیم کے بعد حدیث نبوی کو دینی حجت قرار دیتے تھے۔ یعنی جس طرح قرآن کریم کا ہر فیصلہ ناطق ہر حکم واجب العمل اور ہر فرمان واجب الاطاعت ہے، (بشرطیکہ منسوخ نہ ہو) کتاب اللہ کے بعد ٹھیک یہی حیثیت صحابہ کرامؓ کے نزدیک حدیث رسول کی تھی۔ ان کا ایمان اور عقیدہ یہی تھا کہ آنحضرت ﷺ کا ہر فیصلہ ہر حکم ہر ارشاد اور ہر فرمان وحی خداوندی ہے۔ ان کے نزدیک جس طرح قرآنی بینات سے اعراض کرنے والوں کے لئے اسلام میں کوئی گنجائش نہیں، حدیث اور سیرت کی کتابوں میں صحابہ کرام کی زندگی میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا کہ انہوں نے کسی حدیث کو صرف اس وجہ سے رد کر دیا ہو کہ معاذ اللہ چونکہ رسول ﷺ کے ارشادات کا ان کے لائے ہوئے دین میں کوئی مقام نہیں، اس لئے نہ ہمارا حدیث پر ایمان ہے نہ وہ ہمارے لئے دینی سند ہے۔ اس قسم کے نظریات کو صحابہ کرامؓ کی طرف منسوب کرنے والے افترا پرداز جس ملحدانہ نجاست سے صحابہ کرامؓ کے دامن کو آلودہ دیکھنا چاہتے ہیں ان کو یاد رکھنا چاہئے کہ وہ اپنی تدبیروں کے باوجود ناکام رہیں گے۔ (وان کان مکرھم لتزول منہ الجبال)

واقعہ جیش اُسامہ (رضی اللہ عنہ)

نظر صحیح سے اگر کام لیا جاتا تو حضرت صدیقؓ کی خلافت میں پیش آنے والا صرف ایک واقعہ

ہی حدیث سے متعلقہ تمام شکوک وشبہات کو دفع کرنے کے لئے کافی ثابت ہوتا۔ میرے نزدیک خلافت کی ذمہ داری قبول کر لینے کے بعد حضرت صدیقؓ کا پہلا کارنامہ مرتبۂ حدیث کی تعیین اور مقام سنت کی تشخیص تھا۔ میرا اشارہ جیش اُسامہؓ کے واقعہ کی طرف ہے۔

آنحضرت ﷺ نے آخری ایام میں سرحد شام کی طرف بھیجنے کے لئے حضرت اُسامہ بن زیدؓ کی امارت میں لشکر تیار فرمایا۔ مدینہ طیبہ سے کچھ فاصلہ پر مقام جرف میں یہ لشکر ابھی جمع ہو رہا تھا کہ آنحضرت ﷺ کی رحلت کا سانحہ کبریٰ پیش آیا۔ آپ ﷺ کے وصال پر ملال کی خبر سن کر یہ سارا لشکر مدینہ طیبہ واپس آ گیا۔

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو حضرت اسامہؓ کو دوبارہ تیاری کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

"اَنفِذْ فِیْ وَجھِكَ الذی وجھك فیه رَسُوْلُ اللّٰہ"

''جس مہم کے لئے آنحضرت ﷺ نے آپ کو روانگی کا حکم دیا تھا اس کے لئے روانہ ہو جاؤ''

چنانچہ لشکر دوبارہ اسی جگہ جمع ہونا شروع ہوا۔ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد حالات کس قدر نازک ہو چکے تھے اس کا کچھ اندازہ آج بھی تاریخی وثائق سے کیا جا سکتا ہے۔ حالات کی اسی نزاکت کے پیش نظر کبار صحابہؓ کو لشکر اسامہ کا بھیجا جانا شاق گذرا۔ حضرت عمر، عثمان، ابوعبیدہ، سعد بن ابی وقاص اور سعید بن زید رضی اللہ عنہم جیسے اہل حل وعقد صحابہؓ کا وفد بارگاہ خلافت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔

''اے خلیفہ رسول اللہ! عرب آپ پر ہر طرف سے ٹوٹ پڑے ہیں۔ اس مٹھی بھر لشکر کو منتشر کر دینا خلاف مصلحت ہے۔ براہ کرم اس لشکر کو مرتدین کے مقابلہ میں بھیجئے اور لشکر کا کچھ حصہ مدینہ طیبہ کی حفاظت کے لئے یہاں رکھیے دشمن کی طرف سے براہ راست مدینہ طیبہ پر اگر حملہ کر دیا جائے جس کا ہر وقت اندیشہ ہے تو آپ عورتوں اور بچوں کی حفاظت کا کیا انتظام کریں گے؟ روم سے سر دست ایسا کوئی خطرہ نہیں کہ ان کی طرف پیش قدمی ضروری ہو اس لئے بہ مقابلہ روم لشکر کشی میں اگر توقف کر لیا جائے تو کیا مضائقہ ہے پہلے مرتدین سے نمٹ لیا جائے پھر آپ بصد خوشی اسامہ کو بھیج سکتے ہیں۔''

نہیں کہا جا سکتا کہ اراکین وفد نے حالات کی الجھن کو کس بے چینی کے ساتھ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے بیان کیا ہوگا۔ کس قدر مبسوط تقریریں ان کی جانب سے اس

موضوع پر کی گئی ہوں گی اور کس قسم کے دلائل سے اپنا موقف سمجھانے کے لئے انھوں نے استدلال کیا ہوگا۔ البتہ روایت کے الفاظ سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ ارکان وفد کے پاس ترکش سخن کا کوئی تیر باقی نہیں رہ گیا تھا جس کو انھوں نے استعمال نہ کرلیا، ان کی پوری تقریر سن کر خلیفہ اسلام نے استفسار فرمایا "هَلْ مِنكُمْ أَحَدٌ يُرِيدُ أَنْ يَقُولَ شَيْئًا" (آپ حضرات میں سے کوئی صاحب کچھ اور تو نہیں کہنا چاہتے)

وفد کے تمام ارکان نے بیک زبان کہا "نہیں" ہمیں جو کچھ کہنا تھا وہ آپ سن چکے ہیں۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا جواب سننے سے پہلے اس پر غور کیجئے کہ اُسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو بھیجنے یا نہ بھیجنے کا مسئلہ بظاہر ایک وقتی اور ہنگامی قسم کا مسئلہ تھا پھر جن حالات میں یہ اکابر صحابہؓ لشکر اسامہ کو روک لینے کا مشورہ دے رہے تھے ان حالات میں ان کا مشورہ اس کے سوا ہو بھی کیا سکتا تھا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کا پہلا جانشین جس کو بنایا گیا تھا اس کے نزدیک یہاں بحث کسی خاص لشکر کی نہیں بلکہ فیصلۂ نبوت کی تھی۔ عوام نہیں بلکہ جیسا کہ میں نے عرض کیا اکابر صحابہؓ اور مہاجرین اولین کے نزدیک بھی صرف ایک لشکر کے نہ بھیجنے کا سوال تھا اور جن حالات میں یہ مشورہ ان کی طرف سے پیش کیا جارہا تھا، بعد کے نتائج کو اگر سامنے نہ رکھا جائے تو ہر دیکھنے اور سننے والا ان کے اس مشورہ کو مبنی بر صواب قرار دینے پر مجبور ہوگا۔ لیکن نبی کے وصال کے بعد یتیم امت کا سربراہ اور متولی جس کو بنایا گیا تھا۔ اس کے نزدیک یہاں کسی لشکر کے بھیجنے یا نہ بھیجنے کا سوال ہی نہیں تھا۔ اس کے نزدیک اصل سوال صرف یہ تھا کہ لشکر اُسامہ کو روم بھیجنے کا فیصلہ رسول اللہ ﷺ فرما چکے ہیں اور حالات کچھ ہو جائیں، آسمان ٹوٹ پڑے، زمین شق ہو جائے، پہاڑ مل جائیں اور دنیا تہ و بالا ہو جائے لیکن پوری امت کے مقتدا اور پوری امت کے امام کے لئے کیا یہ گنجائش ہو سکتی ہے کہ فیصلۂ نبوت کو بدل دے۔ نہیں! ہرگز نہیں۔ یہی اکابر صحابہؓ جو نازک ترین حالات کا حوالہ دے کر لشکر اُسامہ کے روک لینے کا مشورہ دے رہے تھے، وہ وہی سن رہے تھے (خدا ان پر ہزاروں رحمتیں نازل فرمائے کہ ان کے طفیل آج ہم اور آپ بھی سن رہے ہیں) کہ خلیفہ اسلام ان کے جواب میں فرمار ہے ہیں:

"والذی نفسی بیده لو ظننتُ أنّ السباعَ تأکُلنی بالمدینة لأنفذتُ هذا البعث ولا بُدَّ أنْ یلوب منه کیف ورسُول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ینزل علیه الوحیُ مِن السماءِ یقُولُ أنفِذُوا جیش أُسَامة" (حیات الصحابه ج ۱ ص ۴۱۰)

(ترجمہ) "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر مجھے اندیشہ بھی ہو کہ اس

لشکر کو بھیج دینے کی صورت میں مجھے درندے کھا جائیں گے تب بھی میں اس لشکر کو بھیج کر رہوں گا اور اسے وہاں سے ہو کر ہی آنا ہو گا میں اس لشکر کو بھیجنے سے کیسے رُک جاؤں، جبکہ رسول اللہ ﷺ پر آسمان سے وحی نازل ہو رہی تھی اور آپ ﷺ فرماتے تھے، اُسامہؓ کے لشکر کو بھیجو۔''

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عقیدہ!

حضرت صدیقؓ کے اس پُر حکمت ارشاد میں اسلام کے کتنے بڑے اصول کو بیان کر دیا گیا۔ تفصیل تو اس کی شاید کسی دوسرے موقع پر کر سکوں گا لیکن اجمالاً اتنا تو یہاں بھی سمجھ ہی لینا چاہئے کہ نبی کی پوری امت اور علمار امت کا عقیدہ کہ وحی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وحی جلی جسے قرآن کہا جاتا ہے، دوم وحی خفی جسے حدیث رسول اللہ ﷺ کہا جاتا ہے یعنی آنحضرت ﷺ کا ہر قول و فعل بھی وحی الٰہی میں مندرج ہے۔ آپ جو کچھ کہتے تھے اپنی خواہش اور رائے سے نہیں کہتے تھے۔ بلکہ وحی الٰہی اور مرضی خداوندی کی روشنی میں کہتے تھے۔ اسی طرح جو فعل بھی آپ ﷺ سے صادر ہوتا تھا۔ وہ بھی ہوائے نفس اور تقاضائے ہوس سے نہیں بلکہ وحی خداوندی کے تحت ہوتا تھا۔ یہ ناممکن تھا کہ معاذ اللہ آپ ﷺ کا کوئی فعل یا ارشاد رضائے خداوندی کے خلاف ہو اور وحی الٰہی خاموش رہے۔ اس لئے آپ ﷺ کے جملہ اقوال و افعال جسے حدیث کہا جاتا ہے، کی حیثیت بھی وحی الٰہی کی ہے۔ بہر حال علمار اسلام کا یہ عقیدہ کہ حدیث نبوی وحی الٰہی وحی خفی ہے، کیا یہ عقیدہ کسی عجمی سازش کی پیداوار ہے؟ معاذ اللہ۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے الفاظ "کیف و رسولُ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ینزِلُ علیہ الوحیُ مِن السماء.

''اسامہ کا لشکر بھیجو۔ میں اس لشکر کو کیسے روک لوں۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ پر آسمان سے وحی نازل ہو رہی تھی اور آپ فرما رہے تھے۔

"اَنفِذُوا جَیشَ اُسَامَۃ" اسامہ کا لشکر بھیجو۔

میں کیا اس عقیدہ کا اظہار نہیں کیا جا رہا۔ انفذ وا جیش اسامہ کا جملہ جو لسان نبوت سے صادر ہوا۔ ظاہر ہے کہ قرآن کی کسی آیت کا جزو نہیں لیکن امت کے سب سے پہلے خلیفہ سے آپ سن رہے ہیں کہ اکابر صحابہ کی موجودگی میں وہ اس کے وحی من السمار (آسمانی وحی) ہونے کا اعلان پوری قوت کے ساتھ کر رہے ہیں۔ اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ خلیفہ اسلام کے نزدیک آنحضرت ﷺ کا ہر حکم اور ہر فیصلہ وحی من السمار میں داخل ہے اور جس طرح قرآن حکیم

وحی الٰہی ہونے کے سبب ملت اسلامیہ کے لئے دینی حجت ہے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کا ہر فیصلہ دینی سند ہے، جس طرح قرآن حکیم کا منبع وحی الٰہی کا منبع ہے، اسی طرح حدیث نبوی کا منکر وحی من السمار (آسمانی وحی) کا منکر ہے۔ خلیفہ اول کے بیان کئے ہوئے اس عقیدہ کو ''عجمی سازش'' قرار دے کر پوری امت کو گمراہ قرار دینے والوں کو سوچنا چاہئے کہ وہ خود ہی کسی شیطانی سازش کا شکار تو نہیں؟

صدیقی عقیدہ کہ احکام نبویہ ناقابل تغیر ہیں

بہر حال حضرت صدیقؓ کے اس صدیقانہ جملہ سے ایک اصول تو یہی ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی احادیث ''وحی من السمار'' ہیں اس لئے امت کے لئے ان کا درجہ وہی ہوگا جو وہی الٰہی کا ہونا چاہئے۔ دوسرا قاعدہ جو اسی پہلے عقیدہ پر مرتب ہوتا ہے، اس صدیقی ارشاد سے یہ ثابت ہوا کہ دین کی جن جزئیات کو وحی من السمار (آسمانی وحی) نے متعین کر دیا ہے۔ ان جزئیات میں تغیر وتبدل اگر ہوسکتا ہے تو وحی کے ذریعے ہوسکتا ہے۔ ورنہ رسول اللہ ﷺ کے بعد اگر کوئی نام نہاد مرکز ملت بصیرت قرآنی کے دعوے کے ساتھ، ان جزئیات میں تغیر وتبدل کی جرأت کرے تو اسے وحی الٰہی میں تحریف کا مجرم قرار دے کر بیک بنی ودو گوش ملت اسلامیہ سے خارج قرار دیا جائے گا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر خلیفہ راشد کون ہوگا اور جن اکابر صحابہ کا مجمع آپ کے گرد جمع تھا ان سے بڑھ کر قرآنی بصیرت کسے حاصل ہوسکتی ہے لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ لشکر اُسامہ کو روک لینے پر محض اس لئے راضی نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم اَنفذوا جَیش اُسامہ کی تحریف اس سے لازم آتی ہے۔

پس جبکہ ایک فوجی نوعیت کے جزوی حکم کو نہیں بدلا جاسکتا تو کون عقلمند کہہ سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے جو احکام عبادات، معاملات، خصومات اور اخلاق سے متعلق ہیں، ان کے کسی ایک شوشے کو دنیا کی کوئی قوت بدل سکتی ہے۔

سیدنا صدیق اکبرؓ کے ارشاد کے موافق جب آنحضرت ﷺ کے جملہ اقوال وارشادات وحی من السمار ہیں تو اس وحی آسمانی کی متعین کردہ جزئیات میں تبدیلی کی جرأت کسی شیطان کو ہو تو ہو کسی مسلمان کو کب ہوسکتی ہے۔ اس جملہ سے ایک اور مطلب کی بات نکل آئی وہ یہ کہ جب حدیث رسول اللہ وحیٔ آسمانی ہے اور اس کے متعین کردہ جزئیات اسی طرح ناقابل تبدیلی ہیں جس طرح قرآنی جزئیات تو اس سے ثابت ہوا کہ حالات کی تبدیلی کا سہارا لے کر اگر کوئی شخص احادیث

رسول اللہ ﷺ نے پہلوتہی کرنا چاہے تو اس کی بھی گنجائش نہیں رہ جاتی۔

حضرت صدیقؓ کا یہ جملہ کس قدر ایمان ویقین میں ڈوبا ہوا جملہ ہے کہ ''اگر مجھے درندے بھی مدینہ میں کھا جائیں تب بھی میں اس لشکر کو بھیج کر رہوں گا۔'' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے وحی آسمانی سے یہ حکم فرمایا ہے کہ اُسامہ کے لشکر کو بھیجو اور یہ قصہ کیا یہیں ختم ہو گیا؟ جیسا کہ میں نے کہا ایک طرف اکابر صحابہؓ حالات کی نزاکت سے بے چین تھے۔ ان کے لئے یہ تصور بھی ناقابل برداشت تھا کہ حضرت اُسامہ کے ساتھ اہل اسلام کی عظیم جمعیۃ اگر مدینہ سے باہر دور دراز سفر کے لئے نکل گئی تو مدینۃ الرسول کی حفاظت کس طرح ہوگی۔ مدینہ طیبہ میں رہ جانے والے بیچاروں پر دشمن اگر حملہ کر دے تو ان کی مدافعت کا کیا سامان ہوگا اور مسلمانوں کے بیوی بچوں کے علاوہ خود اُمہات المومنین کی حرمت کو خدانخواستہ خطرہ اگر لاحق ہو تو اس کے لئے کیا صورت کی جائے گی۔ حالات کی یہی پیچیدگی عام صحابہؓ کے علاوہ خود امیر جیش حضرت اُسامہؓ کو بھی بے چین کئے جا رہی تھی چنانچہ امیر لشکر نے پھر حضرت عمرؓ کو بھیجا کہ خلیفۂ رسول کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی طرف سے واپسی کی اجازت طلب کریں پیغام میں اسی بے چینی کا اظہار تھا۔

"فإن مَعِي وُجوهَهُم واعيانهم ولا أمن على خليفةِ رسولِ اللّٰه وثَقَلُ رسول اللّٰه وأثقال المسلمين أن يتخطفَهُم المشركون.

''مدینہ کی تمام قوت میرے ساتھ ہے۔ اس صورت میں خلیفہ رسول اللہ اور ازواج مطہرات اور مسلمانوں کے بیوی بچوں کے معاملہ میں مجھے بے اطمینانی ہے کہ دشمن ان کو اچک نہ لیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ امیر لشکر کا یہ پیغام لے کر چلے تو آتے ہوئے انصار نے ان سے کہا کہ اگر خلیفہ رسول اس لشکر کے بھیجے بغیر راضی نہ ہوں تو ان کی خدمت میں ہماری یہ درخواست پیش کردیں کہ

"أن يولى علينا رجُلا أقدمُ سنًا من أسامة"

''اُسامہ کے بجائے کسی بڑی عمر کے آدمی کو ہم پر امیر مقرر کردیں۔''

حضرت عمرؓ امیر لشکر کا پیغام لے کر بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے عام اندازہ یہی تھا کہ خلیفہ رسول اللہ سپہ سالار کے پیغام کو سن کر شاید نرم ہو جائیں گے۔ عام صحابہؓ کے علاوہ سالار جیش کے نزدیک بھی یہ لشکر کشی کا تقاضائے وقت سے چونکہ آہنگ نہیں تھی۔ اس لئے قوی امید کی جا سکتی تھی کہ خلیفہ اعظم اپنے حکم پر نظر ثانی فرمائیں گے اور لشکر کو واپسی کا حکم ہو جائے گا اس موقع پر صحابہؓ کی

نظر ایک طرف تقاضائے حالات پر تھی تو دوسری طرف صدیق اکبر کا اصرار لشکر کشی ان کے لئے اچھا خاصہ معمہ تھا۔ لیکن حضرت صدیقؓ کی بصیرت ایمانی کا فیصلہ یہ تھا کہ اسلام یا مسلمانوں کی حفاظت کا راز کسی لشکر کے بھیج دینے یا روک لینے میں نہیں۔ بلکہ آنحضرت ﷺ کے حکم اور فیصلہ کی حفاظت میں ہے۔ آنحضرت ﷺ کے فیصلہ کی حفاظت اگر کرلی گئی تو اسلام زندہ رہے گا اور مسلمان بھی محفوظ رہیں گے۔ خدانخواستہ جس دن فیصلۂ نبوت مسلمانوں کے ہاتھوں میں محفوظ نہ رہا اس دن نہ مسلمانوں کو کوئی لشکر دشمن سے بچا سکے گا، نہ غریب اسلام ہی کی حفاظت ہو سکے گی۔

حضرت عمرؓ نے خلیفہ رسول اللہ کی خدمت میں امیر لشکر کا پیغام جب نقل کیا تو سن کر فرمایا:

"ولو اختطفني الكلاب والذئاب لم أرد قضاء قضاه رسول الله ﷺ"

"مجھے اگر کتے اور بھیڑیئے بھی گھسیٹ کر لے جائیں تب بھی میں اس بات کو تبدیل نہیں کرسکتا جس کا فیصلہ آنحضرت ﷺ فرما چکے ہیں۔"

یہاں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے لشکر بھیجنے کے لفظ ہی کو حذف فرما دیا۔ اصل بات نکھر کر سامنے آگئی کہ فیصلۂ نبوت ناقابل تبدیل ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یقین ہو گیا کہ اب حضرت صدیقؓ لشکر اُسامہ کے روک لینے پر کبھی رضامند نہ ہوں گے۔ اسلئے انھوں نے انصار کی درخواست پیش کی یعنی اسامہ کم عمر ہیں ان کے بجائے کسی بڑے عمر کے آدمی کو لشکر کا امیر مقرر کر دیا جائے

وہی صدیق اکبرؓ جن کے حلم و بردباری، متانت اور وقار کو آنحضرت ﷺ نے کسی موقع پر حلم خلیل اللٰہی کے ہمرنگ قرار دیا تھا، اس درخواست کو سن کر ان ہی پر دیکھا گیا کہ یکا یک جلال موسوی طاری ہو گیا۔

"فوثب أبوبكر، وكان جالسًا فأخذ بلحيته عُمر وقال ثكلتك أمُّك وعَدمتكَ أمُّكَ يا ابن الخطاب استَعمَلهُ رسولُ الله ﷺ وتأمُرُني أن أنزعَه"

"ابوبکر بیٹھے تھے۔ اچانک اپنی جگہ سے اچھلے اور لپک کر عمر کی داڑھی پکڑلی اور فرمانے لگے۔ اے خطاب کے بیٹے تیری ماں تجھے گم پائے اور تیری ماں تجھے مردہ پائے۔ اسے رسول اللہ ﷺ نے امیر بنایا ہے اور تو مشورہ دیتا ہے کہ میں اسے معزول کردوں۔"

آج خلیفہ رسول کی جانب سے خلیفۃ اللہ (موسیٰ علیہ السلام) کی سنت جوش وجلال کا مظاہرہ کیا جارہا ہے غور کرو کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ طرز عمل قرآن کے ان الفاظ کی کیسی عمدہ تصویر ہے۔

"فأخذ بلحية أخيه يجرُه إليه"

''موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی ہارون کی داڑھی پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔''

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا پرجلال انداز اس وجہ سے تھا کہ ہارون علیہ السلام قوم کو گئوسالہ پرستی کی گمراہی میں مبتلا دیکھ کر پھر بھی اسی قوم میں رہنا کیسے برداشت کر سکے۔ چنانچہ قرآن حکیم نے اطلاع دی کہ:

قالَ یا هارونُ ما منعَکَ إذ رأیتَهُم ضَلُّوا ألّا تتبعن، أفعصیت أمری.

(ترجمہ) موسیٰ علیہ السلام نے ہارون سے فرمایا: ''اے ہارون جب تو نے قوم کو دیکھ لیا تھا کہ وہ گمراہ ہو گئے ہیں تو تجھے کیا مانع پیش آیا کہ تم قوم کو چھوڑ کر میرے پیچھے نہ آئے۔''

ادھر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ غیظ وغضب اس لئے تھا کہ عمر رضی اللہ عنہ کی فاروقی بصیرت نے ایسے پیغام کو کیوں گوارا کیا جس سے فیصلہ نبوت میں ادنیٰ تبدیلی کا وہم پیدا ہو سکتا تھا۔

جاننے والے جانتے ہیں کہ نہ پیغام بھیجنے والوں کے وہم وگمان میں تھا کہ اُسامہؓ کی معزولی سے فیصلۂ نبوت میں تبدیلی ہو جائے گی، نہ پیغام لانے والے کے خواب وخیال میں تھا کہ اس مشورہ پر عمل کرنے سے نبوت کے فیصلوں کو پس پشت ڈالنے کا دروازہ کھل سکتا ہے لیکن ''صدیقی فراست'' اس نکتہ کو پا رہی تھی اس لئے انھوں نے حضرت عمر کی داڑھی پکڑ کر اس فتنہ کا ہمیشہ کے لئے سدباب کر دیا تاکہ آئندہ کسی شکم سیر کو آنحضرت ﷺ کی متعین کردہ جزئیات میں ترمیم وتنسیخ کی جرأت نہ ہو۔ اگر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے فیصلۂ نبوت کی حفاظت کے لئے اتنی شدت کا اظہار نہ کیا جاتا اور اُسامہؓ کی جگہ کوئی دوسرا امیر مقرر کر دیا جاتا تو کہنے والوں کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے آنحضرت ﷺ کے مقرر کردہ امیر کو معزول کر دیا تھا۔ اسی راستہ سے دین میں تراش وخراش اور فیصلۂ نبوت میں کتر بیونت کا موقع لوگوں کو مل جاتا، لیکن صدیق اکبرؓ پر خدا کی ہزاروں نعمتیں نازل ہوں پوری امت کی جانب سے ان کو جزائے خیر دی جائے کہ انھوں نے ہر شدت کو گوارا کیا، مگر حدیث نبوی کے حصار میں شگاف نہ آنے دیا۔ ہر آزمائش کا مقابلہ کیا مگر فیصلۂ نبوت میں ادنیٰ تغیر کو برداشت نہ کیا۔ ''فجزاہُ اللّٰہ عنا''

حضرت صدیقؓ کے اس موسوی طرزِ عمل کو سامنے رکھ کر اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ حضرت صدیق کی قرآنی بصیرت میں حدیث نبوی سے اعراض اور فیصلۂ نبوت سے انحراف، گئوسالہ پرستی کے ہمسنگ تھا تو کون کہہ سکتا ہے کہ یہ دعویٰ بے جا ہوگا۔

حضرت صدیق کی طرف سے اپنے بھائی عمر کی داڑھی پکڑ کر کپکپاتے ہوئے جسم اور لرزتی

ہوئی آواز میں جب کہا جا رہا تھا۔

"استَعمَلهُ رسولُ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وتأمُرنی أن أنزعَه"

(ترجمہ) "رسول اللہ ﷺ نے اسے امیر مقرر کیا ہے تو مجھے کہتا ہے کہ میں اسے معزول کردوں۔"

اس وقت کسے معلوم تھا کہ کچھ زمانہ بعد ایسے "سامری صفت" بھی پیدا ہوں گے جو حکامِ وقت پر اللہ ورسول کا نام چسپاں کرتے ہوئے۔

(هٰذا إلٰهكُم وإلٰه موسىٰ فنَسى) (القرآن الحکیم)

"یہ تمہارا اور موسیٰ کا خدا، موسیٰ تو بھول کر طور پر چلا گیا" کا "سامریانہ" نعرہ لگائیں گے اور محمد رسول اللہ ﷺ کے دین کے تمام بینات میں قطع و برید کر ڈالنا ہی ان کے نزدیک "قرآنی بصیرت" "سنت جاریہ" اور ملکہ، اجتہاد قرار پائے گا۔

"یقرأون القرآن ولا یجاوز تراقیهم"

"وہ قرآن پڑھیں گے لیکن کیا مجال کہ ان کے حلق سے نیچے اتر جائے۔"

اور لطف یہ کہ انہیں سامری صفت دجالوں کو ایسے سادہ لوح پرستار بھی مل جائیں گے جو اپنی عبادت کی وجہ سے اس نئے گئوسالہ سامری "مرکز ملت" کو سچ مچ اللہ ورسول مان لیں گے اور چودہ صدیوں کے ہارون صفت علماء ربانی کی ہارونی نصیحت

"یا قوم إنّما فُتِنتُم به وإن ربکمُ الرحمن فاتبِعُونی وأطِیعُوا أمری" (القرآن الحکیم ۔۔)

"لوگو! تم فتنہ میں مبتلا ہوگئے ہو۔ تمہارا رب (یہ گئوسالہ سامری نہیں بلکہ) وہ رحمان ہے جس کی رحمت زمین وآسمان کو محیط ہے۔ اس لئے خدارا تم میری پیروی کرو اور میرے حکم کی اطاعت کرو۔"

ان کے لئے بے اثر ثابت ہوگی، اور یہ شاگردان سامری، ہارون صفت علماء ربانیین کی اتباع کو انسان پرستی اور مذہبی اجارہ داری کا نام دیں گے!

بہرحال دورِ خلافت میں حضرت صدیقؓ کا پہلا کارنامہ میرے نزدیک یہی تھا کہ انھوں نے پوری قوت اور شدت سے مرتبۂ حدیث کو اجاگر کیا۔ اور "بمقام سنت" کو واضح فرمایا اور حکمت الٰہی ان کے لئے ایسے اسباب بروئے کار لاتی رہی جن سے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو مختلف عنوانات میں مرتبہ حدیث نبوی کی وضاحت کا موقع بار بار ملتا رہا۔

جیشِ اُسامہ کے واقعہ میں تو ایسا نظر آتا ہے کہ حضرت صدیق پر وجد اور حال کی سی رقت طاری

تھی اور وہ اس واقعہ میں جرأت وہمت کے پیکر تھے۔ اسی واقعہ کا روح پرور اور ایمان افروز جز او رسنئے!

حضرت اُسامہ کا لشکر جب رخصت ہونے لگا تو خلیفہ رسول اللہ بنفسِ نفیس اُسامہ اور ان کے ہمراہیوں کو رخصت کرنے کے لئے مقام ''جرف'' میں تشریف لائے۔ واقعہ کے عینی شاہدوں کا بیان ہے کہ اسامہ اپنی سواری پر تھے اور خلیفہ اسلام ان کے پہلو میں سواری موجود ہونے کے باوجود پیدل چل رہے تھے۔ اسامہ کی طرف سے ہر چند اصرار بھی کیا گیا۔

"یا خلیفة رسول الله لتركبن أو لأنزلن"

''خلیفہ رسول! یا آپ سوار ہو جائیں یا میں اتر جاؤں''

لیکن جواب میں خلیفہ اسلام فرمار ہے تھے:

"واللہ لا تنزل، و واللہ لا أركبُ وما عليّ انْ أغبّرَ قدميّ ساعةً في سبيل الله فإن للغازي بِكُل خَطرةٍ بخطوها سَبْعُ مائةِ حسَنَةٍ تُكتَبُ لَهُ وسَبْعُ مائةِ درجة ترفَعُ له، وتُمحى عَنه سَبْعُ مائةِ خطيئة" (حیات الصحابہ)

''خدا کی قسم نہ تم اترو گے اور خدا کی قسم نہ میں سوار ہوں گا میں اگر راہ خدا میں ایک ساعت کے لئے اپنے قدم غبار آلود کرلوں تو کیا مضائقہ ہے کیونکہ غازی کے لئے ہر قدم پر سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں، سات سو درجے اس کے بلند کئے جاتے ہیں اور سات سو خطائیں اس کی مٹا دی جاتی ہیں۔'' (حیات صحابہ)

جو کہنا چاہتا ہوں وہ آگے آتا ہے۔ یعنی حضرت اُسامہ اور ان کی جماعت کو رخصت کر کے جب واپس آنے لگتے ہیں تو اسلام کا الوداعی جملہ "أستودعُ الله دِينك و أمانتكَ و خواتيم عَملك" (تیرا دین امانت اور خاتمہ عمل اللہ کے سپرد کرتا ہوں) ادا کرنے کے بعد خلیفہ رسول ﷺ امیر لشکر سے خطاب کرتے ہوئے فرمار ہے تھے:

"أن رسول الله أوصاك فانفِذ لأمر رسولِ الله صلى الله عليه وسلم فإني لَستُ أمرك و لا أنهاك عَنه إنما أنا مُنفِّذ لأمْرٍ بِه رَسُولُ الله ﷺ" (حیات الصحابہ)

آنحضرت ﷺ آپ کو وصیت فرما چکے ہیں یعنی آنحضرت ﷺ کا حکم گرامی بجالاؤ۔ بندہ نہ کسی بات کا آپ کو حکم کرتا ہے نہ کسی چیز سے منع کرتا ہے۔ میری حیثیت صرف یہ ہے کہ میں آنحضرت ﷺ کے حکم کو نافذ کرنے والا ہوں اور بس۔''

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس فقرہ کا مطلب یہی سمجھا ہوں اور شائد اس کے سوا دوسرا مطلب ہو بھی نہیں سکتا کہ حضرت صدیق ایک طرف ''مرتبۂ فیصلۂ نبوت'' بیان فرمار ہے

ہیں کہ اس میں ترمیم و تنسیخ صدیقی مسلک میں غیر صحیح ہے۔ دوسری طرف وہ خلیفۂ رسول یا بلفظ دیگر خلیفۂ اسلام کی حیثیت متعین کر رہے ہیں کہ اس کی حیثیت صرف احکام نبوی (ﷺ) کے نافذ کرنے والے کی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے قضایا اور فیصلوں میں تبدیلی کر دینا اس کا نہ منصب ہے نہ وہ اس کا مجاز ہے۔ کیوں نہ ہو جب خلیفۃ اللہ کو یہ منصب تفویض نہ کیا گیا کہ وہ اپنی رائے اور احکام اور فرامین میں رد و بدل کر ڈالے۔ چنانچہ داؤد علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا جاتا ہے۔

"یا داودُ إنا جعلناك خليفةً في الأرضِ فاحكُم بين الناسِ بالحقِ ولا تتبع الهوىٰ فيضلك عن سبيل الله" (القرآن الکریم)

اے داؤد علیہ السلام ہم نے تمہیں اپنی زمین میں خلیفہ بنایا ہے اسلئے لوگوں کے درمیان حق کے موافق فیصلہ کیا کرو۔ اور خواہش کی پیروی نہ کیجیو۔ ورنہ تمہیں اللہ کی راہ سے بہکا دے گی۔

پس سوچنا چاہئے کہ اس بات میں رسول اللہ ﷺ کے "خلیفہ راشد" کے لئے کب گنجائش ہو سکتی ہے کہ وہ صاحب وحی ﷺ کی ہدایات اور ارشادات آپ ﷺ کے احکام اور قضایا میں رد و بدل شروع کر دے۔ ایسی صورت میں وہ جانشین رسول اور خلیفہ نبی کہلانے کا کب مستحق ہوگا۔

حکیم الامت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ ضروریات خلافت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"واجب است بر خلیفہ نگاہ داشتن دین محمدی ﷺ بر صنفیکہ بسنت مستفیضہ آنحضرت ﷺ ثابت شدہ و اجماع سلف صالحین بر اں منعقد گشتہ و انکار بر مخالف"

(ازالۃ الخفاء جلد ۱ ص ۲۹ طبع جدید)

"خلیفہ پر دین محمدی ﷺ کی حفاظت اور نگہداشت اسی شکل میں لازم ہے۔ جس طرح آنحضرت ﷺ کی سنت مستفیضہ سے ثابت ہے اور سلف صالحین کا اجماع اس پر منعقد ہو چکا ہے۔ اسی کے ساتھ خلیفہ کے فرائض میں یہ بھی داخل ہے کہ سنت مستفیضہ اور اجماع کی خلاف ورزی کرنے والوں پر گرفت کرے۔"

اسی مضمون کو حضرت صدیقؓ ان الفاظ میں بیان فرما رہے ہیں جو اوپر نقل کر چکا ہوں یعنی

"إنما أنا مُنفِذٌ لأمرٍ أمرَ به رسولُ الله صلى الله عليه وسلم"

"میں تو صرف آنحضرت ﷺ کے حکم کو نافذ کرنے والا ہوں۔"

یہ الفاظ تو خیر اسامہؓ سے فرمائے گئے جس سے ایک گونہ اپنے اصرار کی وجہ بیان کرنا اور

دوسرے لوگوں کا مشورہ قبول کرنے سے معذوری پیش کرنا بھی مقصود تھا۔

پہلا صدیقی خطبہ کہ ''دستور خلافت'' کتاب وسنت ہوں گے

لیکن کیا مرتبہ حدیث اور منصب خلافت کی ذمہ داریوں کا بیان صرف اسی موقع پر کیا گیا؟ جہاں تک صحابہؓ کے واقعات لوگوں کو مل سکتے ہیں ان کی روشنی میں ہر شخص یہی سمجھنے پر مجبور ہوگا کہ نہ صرف حضرت صدیق بلکہ تمام اکابر واصاغر صحابہؓ کے نزدیک ''خلیفہ رسول اللہ'' کی حیثیت احکام نبوت کی تنفیذ ہی کی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ ان کے نزدیک بدیہات میں داخل تھا۔ لیکن اس ''بدیہی'' مسئلہ کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ بار بار کیوں بیان کر رہے تھے؟

مثلاً حضرت صدیق کا پہلا خطبہ جو منبر رسول ﷺ سے مہاجرین وانصار (رضی اللہ عنہم) کے کثیر مجمع کے سامنے پیش کیا گیا جس کو آج کی اصطلاح میں حلف وفاداری کہیے تو بجا ہے اس میں بھی قرآن حکیم کے ساتھ ''سنت'' کو دین کی بنیاد کے طور پر انھوں نے پیش کیا۔ اور اسلام میں خلیفہ کا منصب کیا ہے؟ اور ''کتاب وسنت'' کے ساتھ خلیفہ کے تعلق کی نوعیت کیا ہوگی؟ اسی نکتہ کی وضاحت انھوں نے فرمائی۔ ابن سعد وغیرہ میں اس خطبہ کو ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے۔

"یا أیها النَّاسُ قد ولیتُ امرکُم ولَستُ بخیرکُمْ ولکن نزل القرآنَ وسن النَّبیُّ صلی اللہ علیه وسلم السُّنن فَعلمنا وتعلمنا أیُّهَا النَّاسُ إنما أنا مُتبعٌ ولَسْتُ بِمُبتدِعٍ فإن أحسَنتُ فأعینُونی وأن زغتُ فَقَوِّمونی" (بحوالہ ایجاز القرآن للباقلانی)

> ''لوگو! مجھے تمہارے امور کا متولی بنادیا گیا۔ مجھے تم سے بہتر ہونے کا دعویٰ نہیں لیکن قرآن نازل ہوا اور آنحضرت ﷺ نے سنتیں جاری فرمائیں۔ پس آپ نے تعلیم دی اور ہم نے تعلیم حاصل کی۔ لوگو! میں محض پیروی کرنے والا ہوں۔ نئی بات کو ایجاد نہ کروں گا۔ پس اگر میں صحیح راستہ پر گامزن رہوں تو میری مدد کرنا اور اگر (بالفرض) کتاب وسنت سے کجی اختیار کی تو مجھے سیدھا کردینا۔''

یہ اسلام کے پہلے خلیفہ کا پہلا خطبہ ہے جس میں کتاب اور سنت کو دستور خلافت قرار دے کر دونوں سے وفاداری کا عہد واقرار خلیفہ کی طرف سے کیا گیا اور تمام مہاجرین وانصار سے وہ اپیل کرتے ہیں کہ اگر خلیفہ اس حلف وفاداری پر قائم رہے تو ہر ممکن طریق سے اس کی مدد کی جائے اگر خدانخواستہ خلیفہ میں کتاب وسنت میں کجی نظر آئے تو پوری قوت سے اسے راہ راست پر لائیں۔ بلاشبہ حضرت صدیق کا یہ خطبہ اسلامی تاریخ میں دستور خلافت کیلئے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

صدیقی اعلانات پر ایک اہم سوال

بہرحال سوال یہاں یہی ہے کہ جن امور کو حضرت صدیق اپنے خطبات، مجالس اور خطوط میں باصرار و تکرار جہاں ان کو موقع ملتا تھا اور بتلا چکا ہوں کہ حکمت الٰہیہ ان کے لئے یہ موقع فراہم کر رہی تھی، بیان کرتے رہتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کے نزدیک جب ان امور کی حیثیت ''بدیہیات اولیہ'' اور ''ضروریات دین'' کی تھی۔ یعنی قرآن کے بینات سے انحراف جس طرح خلیفہ کے لئے صحیح نہیں ٹھیک اسی طرح سنت نبویہ سے اعراض کی گنجائش بھی اس کے لئے نہیں، اور امت کے لئے قرآن جس طرح حجت ہے رسول اللہ ﷺ نے قرآن کے علاوہ جو احکام و فرامین چھوڑے ہیں اور دین محمدی ﷺ میں ان کا ثبوت قطعی ہے، محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والوں کے لئے ان کا تسلیم کرنا بھی ضروری ہے۔ یہ امور جب صحابہؓ کے نزدیک ''ضروریات'' میں داخل ہیں تو امت کے پہلے خلیفہ کے لئے یہی ''بدیہی مسئلہ'' اس قدر اہمیت کیوں اختیار کر گیا تھا کہ کبھی منبر رسول ﷺ کا پایہ پکڑ کر کبھی اپنے بھائی (عمرؓ) کی داڑھی پکڑ کر، کبھی امیر جیش (اُسامہؓ) کی رکاب تھام کر وہ اسی کی تکرار، اسی کا اعلان اسی کی منادی کیوں کئے جا رہے تھے کہ

۱- دستور خلافت کیلئے کتاب اللہ وسنت رسول بنیادی پتھر ہیں۔

۲- خلیفہ اسلام کی حیثیت متبع کی ہوگی۔ مبتدع کی نہ ہوگی۔

۳- میں اس لشکر کو روک لینے کا مجاز نہیں جس کے بھیجنے کا حکم آنحضرت ﷺ وحی الٰہی سے فرما چکے ہیں۔

۴- میرا منصب نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے مقرر فرمودہ امیر کو معزول کر دوں۔

۵- مجھ پر کیسے ہی حالات گزر جائیں لیکن مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ میں فیصلہ نبوت کو تبدیل کر دوں۔

۶- حد یہ کہ میں اس جھنڈے کو کھول دینے کی ہمت نہیں رکھتا۔ جسے آنحضرت ﷺ باندھ چکے ہیں "ولا حللت لواء عقده رسول الله صلى الله عليه وسلم" (بدایہ ج۶ ص ۳۰۵ بحوالہ حیات الصحابہ)

۷- اس سے بڑھ کر یہ کہ

"وأمَرَ منادیه یُنادی عُزمَةً منی أن لا یتخلّف عن أُسامَةَ من بعثه مَن كانَ انتَدبَ مَعَه فِی حیاةِ رسولِ اللّه صلی اللّه علیه وسلم" (حیات الصحابہ: ۴۱۰ ج۱)

''جو شخص لشکر اسامہ میں حیات نبوی میں شریک ہو چکے تھے میں ان میں سے کسی کو عدم شرکت کی اجازت دینے کا بھی اختیار نہیں رکھتا۔''

یہ اعلانات عام لوگوں کے نزدیک ممکن ہے کہ کسی اہمیت کے حامل نہ ہوں اور وہ صرف اتنا کہہ کر آگے گذر جانے کی کوشش کریں، کہ کوئی وقتی ضرورت اس اعلان کی پیش آئی ہوگی۔ اس لئے جس طرح اور احکام خلافت کی طرف سے دیئے جاتے ہیں یا بہت سے اعلان کئے جاتے ہیں، کسی ضرورت کے تحت یہ اعلان بھی کر دیا گیا ہوگا لیکن حضرت صدیقؓ کے ان پے در پے اعلانات میں ایمان و یقین کا نور، عزم و احتیاط کی نزاکت اور درد و بے چینی کا سوز جو پایا جاتا ہے وہ کم از کم مجھے تو اجازت نہیں دیتا کہ، نظر عمیق اور فہم صحیح سے کام لئے بغیر گزرنے والے سرسری طور پر اس مقام سے گزر جائیں اور ان صدیقی بیانات کو معمولی چیز قرار دے کر پہلو تہی کی کوشش کریں۔

منشاء صدیقؓ کی توضیح

ان ''صدیقی کلمات'' کا اصل منشاء کیا ہے اس کو معلوم کرنے کے لئے ہمیں اس پر غور کرنا ہوگا کہ آنحضرت ﷺ جب اس عالم میں رونق افروز تھے، اس وقت آپ ﷺ کی زبان ہی دین و شریعت تھی۔ لسان نبوت سے جو کچھ صادر ہوتا تھا، سننے والوں کے لئے وہی دین اور اسلام تھا۔ آپ ﷺ کے حکم کا تسلیم کر لینا ایمانی علامت اور آپ ﷺ کے فیصلہ سے پہلو تہی کرنا علامت نفاق تھی، اہل ایمان کے لئے رضائے خداوندی، ذات رسالت مآب ﷺ کے اتباع اور آپ کی فرمانبرداری میں منحصر تھی۔ اہل ایمان کے لئے آپ ﷺ کا ہر قول و فعل وحی الٰہی کا تابع اور منشائے خداوندی کا ترجمان تھا۔ اس لئے اہل اسلام کے لئے آخری مرجع ذات قدسی صفات تھی (ﷺ) حکیم الامت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ہیں۔

> ''اما چوں ایام نبوت بود، وحی مفترض الطاعت در قلب پیغمبر ے رسید و شک و شبہ را آنجا ہیچ گنجائش نہ بود نہ در اول نہ در آخر۔ (ازالۃ الخفاء: ۹۹، ج ا)
>
> ''جب تک نبوت کا زمانہ تھا۔ پیغمبر ﷺ کے قلب پر وحی نازل ہوتی تھی جسکی اطاعت فرض ہے اور شک و شبہ کیلئے وہاں قطعاً گنجائش نہ تھی۔ اول میں نہ آخر میں۔''

وصال نبویؐ کے بعد امت ذہن و فکر کے دوراہے پر

لیکن وصال نبوی سے دور نبوت ختم اور دور خلافت شروع ہو گیا اور امت اس حادثہ میں

یکا یک ایک دور سے دوسرے دور میں منتقل ہوگئی اس وقت امت ایک طرف اپنے نبی ﷺ کے وصال کے سانحہ کبریٰ پر ماتم کناں دیوانہ وار تڑپ رہی تھی۔ خدا کے سوا کون تھا جو ان کی تعزیت کرے۔ دوسری طرف یہ فطری سوال کھڑا ہوگیا کہ آج کے بعد نبی ﷺ اور امت کے درمیان تعلق کی نوعیت کیا ہوگی؟ کیا امت کا رشتہ واطاعت نبی ﷺ کی ذات سے کٹ گیا؟ یا بدستور باقی ہے۔ کیا آپ ﷺ کے وصال کے بعد بھی آپ ﷺ کے ارشادات کی پیروی امت کے لئے لازم ہوگی یا یہ قصہ وصال نبوی پر ختم ہوگیا؟ کیا آپ کی زبان ناطق بالوحی سے صادر شدہ ہر کلمہ اب بھی دین اسلام کا جزو سمجھنا ہوگا جیسا کہ آپ کی زندگی میں تھا یا ''امیر جماعت'' اور ''مرکز ملت'' اسلام کے جدید کل پرزے تیار کیا کرے گا؟ کیا رضائے خداوندی اتباع نبوی میں اب منحصر رہے گی، جس طرح آپ ﷺ کے زمانۂ حیات میں تھی، یا یہ سعادت صرف آپ کے زمانۂ حیات تک تھی؟ کیا آپ کی ہر بات کو تسلیم کرنے والا مومن اور تسلیم نہ کرنے والا منافق اب بھی قرار دیا جائے گا؟ یا ایمان وکفر اور اخلاق ونفاق کا یہ معیاری فرق صرف آپ کی زندگی تک تھا؟

قرآن مبین کی سینکڑوں آیات میں آپ کی اطاعت، فرمانبرداری اور امتثال امر کا حکم جو دیا گیا ہے کیا قرآن کا یہ مطالبہ اب بھی موجود ہے یا قرآنی مطالبہ وصال نبویؐ کے بعد مسلمانوں سے اٹھ گیا؟

کیا مسلمانوں کا خلیفہ ہدایات نبوی کا پوری طرح پابند ہوگا۔ یا آپ کا جانشین ٹھیک وہی منصب حاصل کرے گا جو زمانہ حیات میں رسول اللہ ﷺ کو حاصل تھا؟ معاذ اللہ

خلیفۂ اسلام کی پوزیشن صحیح کیا ہوگی؟ اسے خلافت کی بنیادوں کو کن خطوط پر استوار کرنا ہوگا؟ قرآن حکیم کے علاوہ سنت رسول اللہ ﷺ سے اس کا برتاؤ کیا ہوگا؟

وحی الٰہی کی نگرانی میں آنحضرت ﷺ ''دین قیم'' کے جن نقوش کو چھوڑ گئے ہیں۔ جن جزئیات کی تعیین فرما گئے ہیں عقائد، عبادات، معاملات، خصومات اور اخلاق کا جو نظام آپؐ مرتب فرما گئے ہیں ان تمام چیزوں کو علیٰ حالہ باقی رکھنا خلیفہ کا فرض ہوگا یا فیصلہ نبوت سے ہٹ کر ''دین قیم'' کے نئے نقشے مرتب کرنے کی بھی اسے اجازت ہوگی؟

آسمانی پیغام کی حفاظت میں آنحضرت ﷺ نے حلال وحرام، صحیح اور غلط، جائز وناجائز کی جو فہرست امت کے سامنے پیش کی تھی ان کو بلا تغیر وتبدل بدستور قائم رکھ کر نافذ کرنا خلیفۂ اسلام کا مناصب ہوگا یا ان میں ردوبدل بھی اس کے لئے جائز ہوگا۔

الغرض دور نبوت اور دور خلافت کے وسطی نقطہ میں جو اہم سوال پیدا ہونا چاہئے تھا۔ وہ یہی

تھا کہ دور نبوت کے ختم اور دور خلافت کے شروع ہو جانے کے بعد امت میں رسول اللہ ﷺ اور سنت رسول اللہ کا کیا مقام ہوگا اور جانشین رسول ﷺ کی حیثیت کیا ہوگی؟ عقلاً یہاں دو ہی صورتیں ممکن تھیں اول یہ کہ جس طرح ایک ''سربراہ مملکت'' کے فیصلے صرف اس کی حیات تک نافذ رہتے ہیں اس کی موت سے جیسے وہ خود بخود معزول ہو جاتا ہے اسی طرح اس کے اوامر کی اطاعت بھی نہیں رہتی، بلکہ اس کی جگہ اس کا جانشین لے لیتا ہے ٹھیک یہی حال نبیؐ اور خلیفۂ نبی کا ہو کہ معاذ اللہ وصال نبویؐ سے ذات رسالت مآب ﷺ امت کی امانت سے معزول ہوگئی۔ اب نہ آپ کو امت کے ساتھ امر و نہی کا تعلق رہا، نہ امت کو آپ کے ساتھ سمع و طاعت کا بلکہ امر و نہی کے تمام اختیارات آپ ﷺ کے بعد آنے والے خلفاء کی طرف منتقل ہو گئے۔ اب قرآن کا جو مفہوم یہ خلیفہ متعین کرے۔ پوری امت کے لئے اسی کا ماننا لازم ہوگا خواہ یہ مفہوم آنحضرت ﷺ کے بیان کردہ مفہوم کے کتنا ہی خلاف کیوں نہ ہو اور اسلام کی جو تصویر خلیفہ پیش کرے گا اب وہی صحیح اسلامی تصویر کہلائے گی، خواہ یہ تصویر آنحضرت ﷺ کے بیان کردہ نقشے کے کیسی ہی الٹ ہو (یہی آجکل کے مغرب زدہ طبقہ کا موقف ہے جس کا منشا مقام نبوت سے ناآشنائی ہے بلکہ یہ تصور انکار نبوت ہی کی ماڈرن شکل ہے)

دوم یہ کہ آنحضرت ﷺ بدستور صاحب امر و نہی رہیں گے امت کو بدستور آپؐ کے ساتھ سمع و طاعت کا تعلق باقی رہے گا۔ آپؐ کے بعد آپ کا خلیفہ آپ کے ارشاد فرمودہ امر و نہی، حلال و حرام جائز و ناجائز احکام و قضایا نافذ کرے گا۔ آپؐ کے کسی فیصلے کی خلاف ورزی نہ اس کے لئے جائز ہوگی اور نہ ملت کیلئے خلیفہ کے ایسے احکام کی تعمیل جائز ہوگی، جن میں آپ کی ''سنت مستفیضہ'' سے انحراف کیا گیا ہو۔ قرآن کے مفہوم و معانی اور اسلام کے نقوش بدستور وہی باقی رہیں گے جو زمانہ نبویؐ میں تھے۔

حاصل یہ کہ خلیفہ مطاع مستقل نہیں ہوگا، بلکہ اس کی اطاعت صرف اسی لئے ہوگی اور اسی وقت تک ہوگی جب تک وہ نبی ﷺ کی نیابت میں احکام نبویہ کو نافذ کرتا رہے۔ اس کی حیثیت صرف یہ ہوگی کہ آپؐ کے وصال کے بعد آپؐ کے احکام اور اوامر و نواہی کی تنفیذ کرے۔

بہر حال وصال نبویؐ کے بعد ''رسول'' اور ''جانشین رسولؐ'' کا مرتبہ اسلام میں کیا ہوگا اس کی یہی دو صورتیں جو میں نے ذکر کیں ہو سکتی تھیں۔ آنحضرت ﷺ کے وصال کے وقت امت اور قیامت تک آنے والی امت، ذہن و فکر کے اسی دوراہے پر کھڑی تھی۔ حضرت ابو بکرؓ جب خلیفہ ہوئے تو وقت کا سب سے پیچیدہ مسئلہ اور امت کے لئے سب سے اہم اصولی سوال یہی تھا جس کو

بیان کرتا چلا آرہا ہوں۔ اس کی پیچیدگی کی وجہ یہ نہ تھی کہ صحابہ کرامؓ کے لئے یہ ''علم'' نیا تھا۔ آپ مجھ ہی سے سن چکے ہیں کہ یہ مسئلہ صحابہ کرام کے نزدیک بدیہیات میں سے تھا۔ اصل وجہ اس سوال کی اہمیت کی یہ تھی کہ منشائے خداوندی جسے ''خلیفہ اول اور بلاواسطہ جانشین رسول'' بنارہی تھی۔ یابی اللہ والمومنون الا ابا بکر آنے والی پوری امت کی نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ آنے والے تمام خلفاء کے لئے حضرت ابوبکرؓ کا طرز عمل قانونی اصطلاح میں ''نظیر'' اور شرعی اصطلاح میں ''سنت خلیفہ راشد'' کی حیثیت رکھتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے بعد خلافت راشدہ اس کی ماہیت، اس کے حل وعقد اس کے انتظام وانصرام اور اس کے طرز عمل کا پہلا تجربہ زمین والوں کو ہورہا تھا۔ گویا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ اول بنائے جانے کا مطلب یہ تھا کہ صدیقی خلافت جن نقوش پر استوار کی جائے گی آئندہ خلافت صحیحہ کے لئے وہی پتھر کی لکیریں بن جائیں گی۔ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں جو چیز دستور خلافت قرار پائے گی ہمیشہ کے لئے خلافت شرعیہ کا دستور وہی رہے گا۔ گویا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نحیف کندھوں پر ملت کے صرف موجودہ دور اور موجودہ افراد کا بوجھ نہیں تھا بلکہ خلافت کے ''نقاش اول'' کی حیثیت سے قیامت تک آنے والی تمام امت اور خلفاء کے لئے خلافت کے صحیح خطوط متعین کرنا اور غلط نقوش کو جو کبھی پیدا کئے جاسکتے تھے ایک ایک کر کے مٹانا بھی ابوبکرؓ کے فرائض میں شامل تھا۔ غرض یہ کہ حضرت صدیقؓ نے اس عقیدہ کو کہ ''دستور خلافت'' کتاب وسنت ہیں ہدایات کی آہنی زنجیر بنادیا جسے کبھی توڑا نہیں جاسکتا۔

دوسری طرف حضرت ابوبکرؓ کی نزاکتوں پر غور کرو تو صحیح اندازہ ہوگا کہ ان صدیقی اعلانات میں کتنا زور ہے۔ بلاشبہ صحابہ کرامؓ کے نزدیک ''سنت رسول اللہ کا مقام'' اور ''خلیفۂ اسلام کا منصب'' یہ دونوں چیزیں اپنے اندر کوئی خفا نہیں رکھتی تھیں۔ لیکن حضرت ابوبکر اپنی آواز انہی تک محدود نہ رکھنا چاہتے تھے جو ان کے سامنے موجود تھے بلکہ وہ اپنی گرجتی ہوئی آواز کو قیامت کی دیواروں سے ٹکرا کر پوری امت کے خلفاء کو آگاہ کردینا چاہتے تھے کہ خلیفہ اسلام کی صحیح پوزیشن کیا ہے۔

بسا اوقات ایک مسئلہ ایک زمانہ میں بدیہیات میں شمار ہوتا ہے، لیکن دوسرے زمانے کے لوگ اپنی غباوت کی وجہ سے اسے نظری بلکہ ناممکن بناڈالتے ہیں۔ کیا آج ''دین قیم'' کے واضح اور بدیہی مسائل ''نظر وفکر'' کی آجگاہ بنانے کا تماشا ہم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ رہے ہیں۔ حضرت ابوبکر چاہتے تھے کہ ان کی یہ آواز جو حلف وفاداری کی شکل میں منبر رسول ﷺ سے نشر کی جارہی ہے۔ قیامت تک کے لئے ہر آنے والے گوش زد ہوجائے۔ یعنی

''أيُّهَا النَّاسُ إنما أنا مُتبعٌ ولَسْتُ بِمُبتدِعٍ''

''لوگو! میں صرف قرآن وسنت کی پیروی کرنے والا ہوں نئی بات ایجاد کرنے والا نہیں ہوں۔''

تاکہ ''مرتبہ حدیث'' کے ساتھ ساتھ ''منصب خلافت'' کا مسئلہ جس طرح آج والوں کے لئے بدیہی ہے کل والوں کے لئے بھی بدیہی بن جائے۔ اور یوں اس مسئلہ کی ''بداہت'' ایسی آہنی زنجیر میں تبدیل ہو جائے کہ آنے والی کوئی بھی طاغوتی قوت اس کے توڑ ڈالنے پر قادر نہ ہو۔ الغرض یہ مسئلہ جیسے آج شک وشبہ سے بالاتر ہے، آئندہ ہر دور میں بھی اسے شک وتردد سے بالاتر سمجھا جائے یہ ذمہ داری جس قدر اہم تھی، اسی قدر فکران کو اس سے عہدہ براہونے کی تھی۔ اس کے لئے انھوں نے کتنی محنت فرمائی۔ اس کی کچھ داستان آپ کے سامنے آچکی ہے۔ یعنی قرآن کے ساتھ سنت کو بنیاد خلافت قرار دے کر مختلف مجالس میں مختلف عنوانات سے اس کا بار بار اعلان کر دیا اور عملی طور پر آنحضرت ﷺ کی سنت کو اس قدر مضبوطی سے تھاما گویا جس قدر کارنامے حضرت ابوبکرؓ سے ظہور پذیر ہوئے، وہ آنحضرت ﷺ ہی سے ظاہر ہو رہے تھے، ابوبکرؓ آلہ اور جارحہ کی طرف احکام نبویہ کی تنفیذ فرما رہے ہیں۔

حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ایام خلافت بقیہ ایام نبوت بودہ است گویا در ایام نبوت حضرت پیغمبر ﷺ تصریحاً بزبان مے فرمودہ ودر ایامِ خلافت بدست وسر اشارہ مے کرد۔''

''خلافت راشدہ کا دور دور نبوت ہی کا تھا کہنا چاہئے کہ زمان نبوت میں آنحضرت ﷺ زبان سے تصریحاً فرماتے تھے اور ایام خلافت میں ہاتھ اور سر کے ساتھ اشارہ فرما رہے تھے۔''

آنحضرت ﷺ کے احکام تصریحیہ اور اشاریہ کی تنفیذ میں خلیفۂ اولؓ نے جس بیداری اور نزاکت احساس سے کام لیا بلاشبہ یہ انہیں کا حصہ تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ حضرت ابوبکرؓ کے اسی طرز عمل کا نتیجہ ہے کہ عملی کمزوریوں کے باوجود خلافت راشدہ کے بعد آنے والے کسی حکمران کو بھی یہ جرأت نہ ہوسکی کہ قانونی طور پر حدیث نبویؐ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو ''دینی سند'' کی حیثیت سے تسلیم نہ کرے اور نہ قیامت تک انشاء اللہ کسی کو یہ جرأت ہو سکے گی۔ اسلام میں سنت رسول اللہ ﷺ کا کیا مقام ہے اور خلیفہ کا کیا منصب ہے یہ مسئلہ صدیقی محنت سے آفتابِ نیم روز کی طرح واضح ہوگیا۔ فالحمد للہ اولاً و آخراً۔

❁ ❁ ❁